"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے"

پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّما يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكم الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهيرا﴾

(سورۂ احزاب: آیت ۳۳)

اے اہلبیت! اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے رجس اور گندگی کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاکیزہ بنائے جس طرح پاکیزہ بنانے کا حق ہے۔

شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ پنجتن پاک یعنی اصحاب کساء کی شان میں نازل ہوئی ہے اور "اہل بیتؑ" سے مراد محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ بطور نمونہ ان کتابوں کی طرف رجوع کریں: مسند احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) ج۱، ص۳۳۱، ج۴، ص۱۰۷، ج۶، ص۲۹۲، ۳۰۴؛ صحیح مسلم (متوفی ۲۶۱ھ): ج۷، ص۱۳۰، سنن ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ): ج۵، ص۳۶۱، دولابی (وفات: ۳۱۰ھ) کی الذریۃ الطاہرۃ النبویہ، ص۱۰۸، نسائی (وفات ۳۰۳ھ کی) السنن الکبریٰ ج۵، ص۸۰۱، ۳۱۱، حاکم نیشاپوری (وفات ۵۰۴ھ) کی المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۶۱۴، ج۳، ص۳۳۱، ۷۴۱ و ۳۱۱، (زرکشی، وفات ۷۹۴ھ کی) البرہان ص۷۹۱؛ ابن حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲ھ) کی فتح الباری فی شرح الصحیح البخاری: ج۷، ص۴۰۱، کلینی (وفات ۳۲۹ھ) کی الاصول الکافی، ج۱، ص۷۸۲، ابن بابویہ (وفات ۳۲۹ھ) کی الامامۃ والتبصرۃ: ص۷۴، ح۹۲، مغربی (وفات ۴۶۳ھ) کی ـــــ: ص۵۳ و ۷۳؛ شیخ صدوق (وفات ۳۸۱ ھ) کی الخصال: ص۳۰۴، شیخ طوسی (وفات ۴۶۰ھ) کی ـــــ: ح۲۸۴، ۸۳۴ و ۸۳۷۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل کتابوں میں اس آیت کی تفسیر کی طرف مراجعہ کریں:: طبری کی جامع البیان، جصاص (وفات ۳۷۰ھ) کی احکام القرآن، واحدی (وفات ۴۶۸ھ) کی باب النزول، ابن جوزی (وفات ۵۹۷ھ) کی زاد المسیر، قرطبیؒ (وفات ۶۷۱ھ) کی: الجامع لاحکام القرآن، ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ) کی تفسیر، ثعالبی (وفات ۸۲۵ھ) کی تفسیر، سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) کی الدر المنثور، شوکانی (وفات ۱۲۵۰ھ) کی فتح القدیر، عیاشی (وفات ۳۲۰ھ) کی تفسیر عیاشی، قمی (وفات: ۳۲۹ھ) کی تفسیر قمی، فرات کوفی (وفات ۳۵۲ھ) کی تفسیر فرات، نیز آیہ اولوالامر کے ذیل میں؛ طبرسی (وفات ۵۶۰ھ) کی اور بہت سی دوسری کتابیں۔

اسوۂ کامل

قال رسول اللہ ﷺ:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ وَ عِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي ما إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا أَبَداً وَ إِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْض

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت اہل بیتؑ۔ اگر تم انھیں اختیار کئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں"۔

اس حدیث شریف اور اس سے مشابہ دوسری احادیث کو مختلف تعبیروں کے ساتھ شیعہ اور اہل سنت کی مختلف کتابوں نے ذکر کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۷۔۱۲۲، سنن دارمی: ۲۔۴۳۲، مسند احمد: ج۳، ص۱۴، ۱۷، ۴۲۶، ۳۶۶، ۳۷۱ ۵۔۱۸۲ اور ۱۸۹، مستدرک حاکم: ۳۔۱۰۹۔۱۴۸۔۵۳۳ وغیرہ)

اسوۂ کامل

تالیف:

ہمت سہراب پور

ترجمہ:

سید کمیل اصغر زیدی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

نام کتاب: الگوی کامل؛ نگاهی به سیرة اخلاقی پیامبرﷺ

نام ترجمه اردو: اسوة کامل

تهیه کننده: مجمع جهانی اهل بیتؑ - اداره ترجمه

مؤلف: همّت سهراب پور

مترجم: سید کمیل اصغر زیدی

نام کتاب: اسوۂ کامل

تألیف: ہمّت سہراب پور

پیشکش: ادارہ ترجمہ معاونت فرہنگی، مجمع جہانی اہل بیتؑ

ترجمہ: سیّد کمیل اصغر زیدی

تصحیح و تہذیب: محمد علی توحیدی اور محمد عباس ہاشمی

کنترل نہائی: محمد ثقلین باقری

ناشر: مجمع جہانی اہل بیتؑ

طبع اول: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۴ء

مطبع: مجاب

تعداد: ۳۰۰۰

ISBN:978-964-529-745-7

info@ahl-ul-bayt.org

www.ahl-ul-bayt.org

فہرست

حرف آغاز ـــ ۹

پیش لفظ ـــ ۱۳

۱۔ اشرف مخلوق ـــ ۱۴

۲۔ مخلوق اوّل ـــ ۱۴

۳۔ غیبی تائید ـــ ۱۵

۴۔ بے پایان رحمت ـــ ۱۶

۵۔ عصمت کبریٰ ـــ ۱۶

۶۔ روح کی وسعت ـــ ۱۷

خدا کی بارگاہ میں راز و نیاز ـــ ۱۹

حفظان صحت ـــ ۲۳

زہد اور سادہ زندگی ـــ ۲۷

اپنا کام اپنے ہاتھوں ـــ ۳۳

ظاہری زیب و زینت ـــ ۳۷

خواتین کا احترام ـــ ۴۱

خوش مزاجی ـــ ۴۳

حیا اور عفت ـــ ۴۷

بچوں کا خیال ـــ ۴۹

عفو اور ایثار ـــ ۵۳

دوسروں کی تعظیم ـــ ۵۹

تواضع وانکساری ـــ ۶۳

عہد کی پابندی ـــ ۶۷

کام اور ہنر سیکھنے کی ترغیب ـــ ۷۵

الفت و محبت ـــ ۷۹

منفی زہد کی مخالفت ـــ ۸۵

مثبت اقدار کی تکریم ـــ ۸۹

خرافات کا مقابلہ ـــ ۹۷

دعا اور استمداد ـــ ۱۰۱

دوسروں کے حقوق کی رعایت ـــ ۱۰۵

لوگوں کی مشکل کشائی اور غمخواری ـــ ۱۰۹

سخاوت اور جود و کرم ـــ ۱۱۳

ثابت قدمی ـــ ۱۱۹

باہمی تعاون ـــ ۱۲۵

مأخذ ـــ ۱۲۹

حرف آغاز

جب آفتاب عالمتاب افق پر نمودار ہوتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت، استعداد اور ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے۔ ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبز رنگت حاصل کرتے ہیں، غنچے اور کلیاں نکھار پیدا کر لیتی ہیں، تاریکیاں کافور ہوتی ہیں اور کوچہ و راہ اجالوں سے پر نور ہو جاتے ہیں۔ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے اسلام کا سورج طلوع ہوا تو دنیا کے ہر فرد اور ہر قوم نے اپنی قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ اور بانی سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غار حرا سے مشعل حق لے کر آئے۔ آپ نے علم و آگہی کی پیاسی دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کر دیا۔ آپ کے تمام خدائی پیغامات، آپ کا بتایا ہوا ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور ارتقائے بشریت کی ضرورت تھے۔ اسی لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اس وقت دنیا پر حاکم ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں۔

وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے ہوں تو عقل و آگہی کے مکتب سے روبرو ہونے کی

توانائی کھو دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اگرچہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گراں بہا میراث جس کی حفاظت و پاسبانی اہل بیتؑ اور ان کے پیروکاروں نے خطرات سے گزر کر کی ہے وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے مشکلات کا شکار ہو گئی تھی اور اس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا تھا، پھر بھی مکتب اہل بیتؑ نے حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کیے بغیر اپنا سلسلۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں دنیائے اسلام میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور پیدا کیے جنہوں نے بیرونی افکار و نظریات سے مغلوب اور اسلام و قرآن سے متصادم فکری و نظریاتی موجوں کے مقابلے میں اپنی برحق تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیتؑ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت کو ختم کرنے نیز اس مذہبی اور ثقافتی حرکت کے ساتھ اسلام کے عاشقوں کا رشتہ توڑنے کے لیے بے چین و بے تاب ہیں۔ یہ زمانہ عملی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے۔ اور جو بھی مکتب فکر تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو متاثر کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا وہ اس میدان میں سبقت لے جائے گا۔

مجمع جہانی اہل بیتؑ نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیروکاروں کے درمیان فکری یک جہتی کے فروغ کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں مثبت قدم اٹھایا ہے تاکہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کر سکے اور عالمِ بشریت جو قرآن و عترت کی پاکیزہ تعلیمات کا پیاسا ہے عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے زیادہ سے زیادہ سیراب ہو سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر عاقلانہ اور ماہرانہ انداز میں اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے نیز حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدوخال میں دنیا تک پہنچا دی جائے تو اخلاق وانسانیت کے دشمن اور انانیت کے شکار خونخوار سامراج کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تنگ آئی ہوئی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے حقیقی انتظار کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔

ہم اس راہ میں ہر قسم کی علمی و تحقیقی کوششیں انجام دینے والے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو صاحبان تالیف و تراجم کا ادنی خدمتگار تصور کرتے ہیں۔ زیر نظر کتاب مکتب اہل بیتؑ کی ترویج و اشاعت کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہمّت سہراب پور کی گرانقدر کتاب "الگوی کامل" (اسوۂ کامل) کو مولانا سید کمیل اصغر زیدی نے اردو زبان میں ڈھالا ہے جس کے لئے ہم ان دونوں کے شکر گزار ہیں اور ان کے لئے مزید توفیقات کے آرزومند ہیں۔ یہاں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کتاب کو منظر عام

تک لانے میں کسی بھی شکل میں زحمت اٹھائی ہے۔ خدا کرے کہ یہ ادنیٰ ثقافتی جہاد رضائے مولیٰ کا باعث بنے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر ثقافتی امور، عالمی مجلس اہل بیت

پیش لفظ

ہر انسان کو ایک اچھے نمونۂ عمل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ دوسروں سے متأثر ہونا اس کی فطری خاصیت ہے۔انسان کی انفرادی و سماجی زندگی میں یہ (اثر پذیری) بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔اسی بنا پر قرآن مجید نے اپنے تربیتی نظام میں اہم اور معروف ہستیوں کے تعارف اور تذکرے کو بے حد اہمیت دی ہے۔ان ہستیوں میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات گرامی سر فہرست نظر آتی ہے۔

قرآن کریم نے صاف الفاظ میں آنحضرت ﷺ کو تمام مسلمانوں اور ہر دور کے انسانوں کے لئے نمونۂ عمل قرار دیا ہے، اور ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ کتب احادیث و سیرت نے آپ کی زندگی کے معمولی سے معمولی واقعات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ اس کتاب میں اسی بیش قیمت خزانے پر ایک سرسری نظر ڈال کر آپ کی سیرت و کردار کی ایک مختصر سی جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اگرچہ کتاب اور اس کے عناوین سے آنحضرت کی عملی سیرت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے لیکن آپ کی معنوی اور روحانی منزلت کا تذکرہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہے اسی لئے آپ کے بعض معنوی (روحانی) مرتبوں کا خلاصہ مندرجہ ذیل عناوین کے تحت پیش خدمت ہے:

۱۔اشرف الخلائق

ہر دور کے تمام انسانوں کے درمیان جس شخصیت کا کوئی مثل اور نظیر نہیں دکھائی دیتا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ حضرت علیؑ اس بارے میں یہ ارشاد فرماتے ہیں: وَ مَا بَرَأَ اللَّهُ بَرِيَّةً خَيْراً مِنْ مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وآلہ.

خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی ہے۔ ۱

۲۔ مخلوق اوّل

خداوند عالم نے اس کائنات کو ایک خاص نظام کے ساتھ خلق فرمایا ہے اور اس میں سلسلۂ مراتب کا خیال رکھا ہے چنانچہ اللہ نے "حقیقت محمدی" کو اپنی سب سے پہلی مخلوق قرار دیا ہے جسے "پہلی تجلی" یا "رحمت واسعہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے چنانچہ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ نقل فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّه صلی اللہ علیہ وآلہ أَوَّلُ شَيْءٍ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى مَا هُوَ فَقَالَ نُورُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ خَلَقَهُ اللَّهُ ثُمَّ خَلَقَ مِنْهُ كُلَّ خَيْرٍ۔

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴۰۔

میں نے رسول خداﷺ سے سوال کیا: خداوند عالم نے سب سے پہلے کس مخلوق کو پیدا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو خلق فرمایا پھر اسی سے ہر چیز کو پیدا کیا۔[۱]

۳۔ غیبی تائید

چونکہ خداوند عالم تمام انسانوں کے مستقبل کے اعمال اور انتخاب (خیر و شر) سے باخبر ہے اس لئے جادہ حق اور صراط مستقیم پر چلنے والوں پر اس کی خاص نظر کرم اور عنایت رہی ہے۔ اسی بنا پر وہ انہیں بچپنے سے ہی اپنی ولایت و محبت کے زیر سایہ جگہ عنایت فرماتا رہا ہے۔

یہ عطائے پروردگار ہمیشہ اولیائے الٰہی خاص کر انبیائے کرامؑ کے شامل حال رہی ہے:

وَ لَقَدْ قَرَنَ اللهُ بِهِ مِنْ لَدُنْ أَنْ كَانَ فَطِيماً أَعْظَمَ مَلَكٍ مِنْ مَلَائِكَتِهِ يَسْلُكُ بِهِ طَرِيقَ الْمَكَارِمِ وَ مَحَاسِنَ أَخْلَاقِ الْعَالَمِ لَيْلَهُ وَ نَهَارَه،[۲]

اور اللہ نے شیر خوارگی کے دوران ہی سے عظیم ترین فرشتے کو ان کے ساتھ کر دیا تھا جو شب و روز آپ کو عظمتوں اور بہترین اخلاق کے راستوں پر چلاتا تھا۔

آپ کو بچپنے میں حاصل ہونے والی غیبی تائیدات کے کثیر نمونے کتب تاریخ و سیرت میں درج ہیں۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۲۴۔

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲۔

۴۔ بے پایان رحمت

آنحضرت ﷺ کا ایک معنوی مقام و مرتبہ یہ بھی ہے کہ آپ حضرت حق کی رحمت و عنایت کا مرکز ہیں۔ آپ ﷺ کو یہ عظیم درجہ آپ کی باطنی طہارت و پاکیزگی کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا تھا۔ آپ کی یہ خصوصیت بھی بچپنے سے ہی آپ کے اندر نمایاں تھی اور آپ کی زندگی کے آخری لمحات تک باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے آپ کے وجود پر نور کی برکت سے امّت سے عذاب اٹھالیا۔

﴿وَ ما كانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فيهِمْ وَ ما كانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُون﴾[۱]

اور اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں اور نہ ہی اللہ انہیں عذاب دینے والا ہے جب وہ استغفار کر رہے ہوں۔

یعنی جس طرح رحمت حق کی تجلی توبہ و استغفار کے اندر رکھی گئی ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک بھی پروردگار کی رحمت واسعہ کا دوسرا جلوہ ہے۔

۵۔ عصمت کبریٰ

عصمت انسان کی روح کے اندر راسخ اس باطنی طاقت کا نام ہے جو انسان کو گناہوں اور غلطیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ جب کسی کے اندر یہ صفت اپنے بلند ترین درجے کے ساتھ موجود ہو تو

۱۔ انفال: آیت ۳۳۔

اسے عصمت کبریٰ کہا جاتا ہے اور اگر اس کا درجہ اتنا اونچا نہ ہو تو اسے عصمت صغریٰ کہا جاتا ہے۔اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اعتبار سے عصمت کبریٰ کا سب سے کامل نمونہ تھے جس کے بارے میں شیعہ اور سنی علماء کے درمیان اتفاق نظر پایا جاتا ہے۔ آپ کی عصمت کی دلیل کے طور پر بکثرت آیات اور روایات موجود ہیں جن میں سے ایک آیۂ تطہیر بھی ہے:

﴿إِنَّما يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرا﴾[۱]

اے اہل بیتؑ! اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی کو آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

۶۔روح کی وسعت

اگرچہ تمام انبیائے الٰہی روحانی قابلیت اور استعداد کے معراج پر تھے جس کے بل بوتے پر وہ عالم غیب سے ارتباط قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور وحی الٰہی حاصل کر کے انسانی دلوں میں منتقل کر دیتے تھے لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں روح کی بلندی کا وہ عالم تھا جس کے ادراک سے مقرّب بھی عاجز تھے۔اسی وجہ سے آپ کبھی کبھی براہ راست پروردگار عالم سے رابطہ پیدا کر لیتے تھے۔اپنے وجودِ پاک کی وسعت اور عظمت کے بارے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے

۱۔احزاب: آیت ۳۳۔

ہیں: لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَ لَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَ لَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ امْتَحَنَ اللَّهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ.[۱]

اللہ کے ساتھ میرے لئے ایسے مواقع میسر ہیں جن کے تحمل کی تاب مقرب فرشتے، مرسل انبیا اور ایسے مومنین بھی نہیں رکھتے جن کے دلوں سے خدا نے ایمان کا امتحان لیا ہے۔

اس پیش لفظ میں ذکر شدہ نکات اللہ کے اس عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت کے بحر بیکراں کا ایک قطرہ ہیں۔ آپ کے مقام و مرتبے کو خداوند عالم اور ائمہ معصومینؑ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔ ہم اس کتاب میں جو کچھ بیان کریں گے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معنوی درجات کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ آپ کی درخشندہ سیرت و اخلاق کا ایک سرسری جائزہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب مفید ثابت ہوگی اور امت مسلمہ خاص کر ہمارا عزیز جوان طبقہ آپ کی سیرت و کردار کو اپنے لئے مشعل راہ اور مثالی نمونہ عمل قرار دے گا اور اخلاق و معنویت کے اس چشمۂ جوشان سے اپنی تشنہ روح کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سیراب کرے گا۔

ہمت سہراب پور

۱۹۹۷ء

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۳۶۰۔

خدا کی بارگاہ میں راز و نیاز

پیغمبر اکرم ﷺ کو اپنے معبود کے ساتھ راز و نیاز میں بے حد خوشی محسوس ہوتی تھی۔ آپ کی نظر میں اس سے زیادہ بہتر چیز کوئی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خداوند عالم کے سامنے اظہار عبودیت سے کبھی بھی تھکتے نہیں تھے۔ اکثر اوقات نماز میں آپ کی وہ حالت ہو جاتی تھی جسے صرف خدا کے سچے اولیاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ در حقیقت حضرت حق کی عبودیت و بندگی اور اس سے راز و نیاز کے باعث ایسا شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے جس کے بعد غیر اللہ کی محبت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا اور غیر اللہ کی محبت کے حوالے سے دل ایک ایسے صحرا میں تبدیل ہو جاتا ہے جہاں غیر خدا کی محبت کا پودا نہیں اگ سکتا۔

خداوند عالم کی عبودیت و بندگی کے ذریعے ہی انسان، سکون و اطمینان کا احساس کرتا ہے، اپنے کو پہچانتا ہے اور نظام کائنات میں اپنے مقام و مرتبے کو پاتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی عبادت و بندگی در اصل عبودیت و بندگی کی معراج ہے۔ آپ خدا کی بندگی کے اس درجے پر فائز تھے جہاں خداوند عالم کے بہت ہی گنے چنے بندے پہنچتے ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ يُحَدِّثُنَا وَ نُحَدِّثُهُ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَعْرِفْنَا وَ لَمْ نَعْرِفْه [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں سے باتیں کرتے تھے اور ہم بھی ان سے باتیں کیا کرتے لیکن نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد آپ کی حالت یہ ہوتی تھی گویا آپ کے اور ہمارے درمیان کوئی جان پہچان نہ ہو۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

كان رسول الله لا يؤثر على الصلاة عشاءاً و لا غيره و كان إذا دخل وقتها كأنه لا يعرف أهلا و لا حميما. [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے وغیرہ کو نماز پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو گویا نہ آپ کسی عزیز کو پہچانتے تھے نہ کسی دوست کو۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوق عبادت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وَ كَانَ رَسُولُ اللهِ يَقُومُ عَلَى أَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ فَأَنْزَلَ اللهُ سُبْحَانَهُ طه ما أَنْزَلْنا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقى. [۳]

۱۔ بحار الانوار، ج ۸۱، ص ۲۵۸ باب ۱۶، آداب الصلاۃ۔

۲۔ مجموعۂ ورام، ج ۲، ص ۸۷۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۶۳ فی سواکہ...

پیغمبر اکرم ﷺ اپنے قدموں کی انگلیوں کے سرے پر کھڑے ہو کر (نماز پڑھتے) تھے یہاں تک کہ خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی: اے طہ! ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ اپنے کو مشقت میں ڈال دیں۔

اسی طرح یہ بھی منقول ہے کہ ایک رات پیغمبر اکرم ﷺ اپنی زوجہ جناب ام سلمہؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے۔ ابھی رات کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ جناب ام سلمہ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے بستر پر موجود نہیں ہیں۔ ام سلمہ آپ کو تلاش کرنے کے لئے اٹھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ آپ حجرے کے ایک گوشے میں کھڑے ہیں، دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور آپ خدا سے اس طرح محو مناجات ہیں:

پروردگارا! تو نے جو نیکیاں مجھے عطا فرمائی ہیں وہ مجھ سے واپس نہ لینا۔ پروردگارا! میرے دشمنوں اور مجھ سے حسد کرنے والوں کو خوش نہ ہونے دینا۔ پروردگارا! تو نے مجھے جن برائیوں سے دور رکھا ہے ان کی طرف واپس نہ پلٹانا، بارالٰہا! ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے میری اپنی حالت پر رہا نہ کرنا۔

آپ کی یہ حالت دیکھ کر جناب ام سلمہؓ رونے لگیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! تم کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کیسے نہ روؤں؟ آپ اتنے عظیم مقام کے مالک ہیں اور خداوند عالم نے آپ کی گزشتہ اور آئندہ لغزشوں کو دور کر

دیا ہے پھر بھی آپ خدا کی بارگاہ میں اس انداز سے دعا کر رہے ہیں۔ (لہٰذا ہمیں تو خدا سے اور زیادہ ڈرنا چاہیئے۔)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے کیسے امان مل سکتی ہے جبکہ خدا نے اپنے نبی یونس سے صرف ایک لمحے کے لئے اپنی نگاہ رحمت ہٹا کر انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا تھا جس کے بعد ان کی وہ حالت ہو گئی تھی۔ [1]

جی ہاں! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو ہمیشہ خداوند عالم کی بارگاہ میں حاضر دیکھتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک پر اور دل میں مسلسل خدا کی یاد موجزن رہتی تھی۔ اس طرح آپ اپنی روح کو آب توحید سے سیراب کرتے رہتے تھے تاکہ حضرت حق کے قرب کی جڑیں آپ کے وجود مبارک میں ہر لحاظ سے راسخ ہو جائیں۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۶، ص ۲۱۸۔

حفظان صحت

دین اسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر توجہ دی ہے۔ اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے جسمانی صحت کی حفاظت کو بے حد اہمیت دی ہے۔ آپ ﷺ دوسروں کو بھی حفظان صحت کے اصولوں کی رعایت کرنے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ یہاں اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند اقوال پیش کئے جارہے ہیں:

ا۔و كان لا يتنفس في الإناء إذا شرب فإن أراد أن يتنفس أبعد الإناء عن فيه حتى يتنفس۔ [1]

جب پیغمبر اکرم ﷺ پانی پیتے تھے تو پانی کے برتن میں سانس نہیں لیتے تھے بلکہ جب سانس لینا چاہتے تھے تو برتن کو منہ سے دور کر لیتے تھے۔

۲۔جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ مسلمان زیادہ بیمار کیوں نہیں ہوتے تو آپ نے فرمایا:

"نحن قوم لا ناكل حتى نجوع، و اذا اكلنا لا نشبع" [2]

جب تک ہمیں پوری طرح بھوک نہ لگ جائے ہم کھانا نہیں کھاتے ہیں اور جب کھانا کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔

ا۔ مکارم الاخلاق، ج ا، ص ۳۲۔

۲۔ سنن النبی، ص ۱۸۱۔

۳۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

كُنَّا نُنْقِعُ لِرَسُولِ الله زَبِيباً أَوْ تَمْراً فِي مِطْهَرَةٍ فِي الْمَاءِ لِنُخَلِّيَهُ لَهُ فَإِذَا كَانَ الْيَوْمَ وَ الْيَوْمَيْنِ شَرِبَهُ فَإِذَا تَغَيَّرَ أَمَرَ بِهِ فَهُرِيق.[۱]

ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے لئے پانی کے برتن میں کشمش یا کھجوریں ڈال دیا کرتے تھے (تاکہ پھول کر نرم ہو جائیں) آپ ایک یا دو دن تک تو انہیں نوش فرماتے تھے اور جب وہ خراب ہو جاتی تھیں تو ان کو دور پھینکنے کا حکم دے دیتے تھے۔

۴۔" لم یر رسول الله قط خارجا من الغائط، الا توضا و یبتدی بالسواك"[۲]

رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد وضو نہ کریں۔ آپ ﷺ وضو کا آغاز مسواک سے کیا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ ہر ہفتہ ناخن کاٹ کر، بدن پر تیل کی مالش کر کے، سرمہ لگا کر، بدن کے فالتو بالوں کو کاٹ کر اور مونچھیں تراش کر جسمانی صفائی اور صحت کا خیال رکھتے تھے۔ ناخن کاٹنے اور مونچھوں کے بال چھوٹے کرنے کے بارے میں آپ کے اقوال اس عمل پر مرتب ہونے والی جسمانی سلامتی اور نفسیاتی پاکیزگی کے مفید اثرات کو بیان کرتے ہیں۔ ان میں انسان کی دنیوی زندگی اور اخروی حیات کے لئے مفید نتائج نہفتہ ہیں چنانچہ آپ کی حدیث ہے:

۱۔ دعائم الاسلام، ج ۲، ص ۱۲۸۔

۲۔ المحجۃ البیضاء، ج ۱، ص ۲۹۶۔

مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَخْرَجَ اللَّهُ مِنْ أَنَامِلِهِ دَاءاً وَ أَدْخَلَ فِيهِ دَوَاءاً وَ أَدْخَلَ فِيهِ شِفَاءً.[۱]

جو شخص جمعہ کے دن ناخن لے خداوند عالم اس کی انگلیوں سے بیماری کو باہر نکال کر ان میں شفاء داخل کر دیتا ہے۔

اسی طرح آپ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يُطَوِّلَنَّ أَحَدُكُمْ شَارِبَهُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَتَّخِذُهُ مَخْبَئاً سْتَتِرُ بِهِ.[۲]

تم میں سے کوئی شخص ہر گز اپنی مونچھیں نہ بڑھائے کیونکہ شیطان (جراثیم) ان میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتا ہے اور ان کے اندر چھپا رہتا ہے۔

۱۔ مکارم الاخلاق، ج ۱، ص ۱۲۳۔

۲۔ مکارم الاخلاق، ج ۱، ص ۱۲۵۔

زہداور سادہ زندگی

دنیا کی رنگینیوں اور مادیات سے الگ رہ کر سادگی کے ساتھ زندگی گزارنا وہ روشن جوہر ہے جس سے انسان کی ملکوتی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں اور روح بلندی کی طرف پرواز کرنے لگتی ہے۔اس کے برعکس انسان کی توجہ دنیوی چیزوں کی طرف جتنی زیادہ ہوگی اور وہ اس خاکی دنیا سے جتنا زیادہ وابستہ ہوتا جائے گا اسی حساب سے انسان روحانی لذتوں، باطنی نورانیت اور علم و حکمت سے دور ہوتا جائے گا۔

اللہ کے حقیقی بندوں کی زندگی کا مقصد بہت بلند ہوتا ہے۔اسی لئے وہ اپنے آپ کو دنیا اور اس کی رنگینیوں سے آلودہ نہیں ہونے دیتے۔انہیں بخوبی علم ہوتا ہے کہ مادی امور اور معنوی کمالات کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے اور جو آدمی ان میں سے کسی ایک سے جتنا قریب ہوگا وہ دوسرے سے اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔اسی لیے ان کی پوری کوشش رہتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو خداوند عالم سے حتی المقدور قریب تر کرلیں اور اپنی قیمتی عمر کو معمولی کاموں میں صرف نہ کریں کیونکہ یہ بلند و بالا مقصد زہد اور سادہ زندگی گزارے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

واضح رہے کہ ایک طرف سے زہد اور دوسری طرف سے زمین کو آباد کرنے یا علوم وفنون اور صنعت و ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے بلکہ یہ سب باتیں بھی درحقیقت اس مادی دنیا میں انسان پر لازم ہیں البتہ دو چیزوں کی مذمت کی گئی ہے:

۱۔ دنیوی امور اور عارضی نعمتوں سے دل لگانا

۲۔ لذتوں میں غرق ہو جانا اور عیش و عشرت کا دلدادہ ہونا

پیغمبر اسلام ﷺ جو تمام انسانوں کے لئے سب سے بڑا نمونۂ عمل ہیں سادہ زندگی پر خاص توجہ فرماتے تھے اور اس طریقے سے بشریت کو اس کی روحانی صلاحیتوں سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔

واضح رہے کہ سادگی ایک نسبی چیز ہے جس میں ہر زمانہ کے حالات اور مختلف مقامات کے تقاضوں کے حساب سے فرق آسکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک انداز زندگی کو دنیا کے کسی علاقے یا زمانے میں بہت پر سکون اور آرام دہ زندگی کہا جائے لیکن کسی دوسرے علاقے میں اسے معمولی اور سادہ زندگی کہا جائے۔

آنحضرت ﷺ کی سادہ زندگی کو اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ آپ انجام دیتے تھے ہم بھی بعینہ وہی کام انجام دیں یعنی گھر، غذا، سواری، اور لباس وغیرہ کی مقدار میں سو فیصد آنحضرت ﷺ کا انداز اپنائیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ میں یہ دیکھا جائے کہ اس دور میں کس طرز زندگی کو سادہ اور معمولی کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ خیال درست نہیں کہ چونکہ پیغمبر اکرم ﷺ مٹی کے گھر میں رہا کرتے تھے یا مٹی کے برتنوں میں کھانا کھایا کرتے تھے یا کسی خاص قسم کی سواری پر سوار ہوتے تھے اس لئے ہم بھی ایسا ہی کریں۔ ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ ہر دور اور ہر علاقے کے تناسب سے سادگی کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم آنحضرت ﷺ کی سادہ زندگی کے کچھ نمونے پیش کر رہے ہیں۔

۱۔انس بن مالک کا بیان ہے:

مَا أَكَلَ رَسُولُ الله ﷺ عَلَى خِوَانٍ وَ لَا فِي سُكُرُّجَةٍ وَ لَا مِنْ خُبْزٍ مُرَقّ [۱]

رسول اللہ ﷺ تھال (طشت) یا بڑے برتن میں رکھا ہوا کھانا اور میدے کی سفید اور پتلی روٹی نہیں کھاتے تھے۔(بظاہر یہ امراء کی غذا تھی)

۲۔حضرت عائشہ سے روایت ہے:

إن رسول الله ﷺ لم يمتل قطّ شبعاً [۲]

رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

۳۔امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

أُتِيَ بِخَبِيصٍ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ فَقِيلَ أَتُحَرِّمُهُ فَقَالَ:لَا وَ لَكِنِّي أَكْرَهُ أَنْ تَتُوقَ نَفْسِي إِلَيْهِ ثُمَّ تَلَا الْآيَةَ (أَذْهَبْتُمْ طَيِّباتِكُمْ فِي حَياتِكُمُ الدُّنْيا) [۳]

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حلوہ پیش کیا گیا لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔عرض کیا گیا: کیا یہ حرام ہے؟آپ نے فرمایا: حرام تو نہیں ہے لیکن میں خود کو اس طرح

۱۔ مکارم الاخلاق، ج۱، ص۱۷۱۔

۲۔ مجموعہ ورام، ج۱، ص۱۰۱۔

۳۔ محاسن، ص۳۴۳۔

کے کھانوں کا عادی نہیں بنانا چاہتا۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: تم نے اپنی پاکیزہ نعمتوں کو اپنی دنیوی زندگی میں استعمال کر کے ختم کر لیا۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر ﷺ کی شان میں فرمایا ہے:

قَضَمَ الدُّنْيَا قَضْماً وَ لَمْ يُعِرْهَا طَرْفاً أَهْضَمُ أَهْلِ الدُّنْيَا كَشْحاً وَ أَخْمَصُهُمْ مِنَ الدُّنْيَا بَطْناً... وَ لَقَدْ كَانَ يَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ وَ يَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ وَ يَخْصِفُ بِيَدِهِ نَعْلَهُ وَ يَرْقَعُ بِيَدِهِ ثَوْبَهُ وَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ الْعَارِيَ وَ يُرْدِفُ خَلْفَهُ وَ يَكُونُ السِّتْرُ عَلَى بَابِ بَيْتِهِ فَتَكُونُ فِيهِ التَّصَاوِيرُ فَيَقُولُ يَا فُلَانَةُ لِإِحْدَى أَزْوَاجِهِ غَيِّبِيهِ عَنِّي فَإِنِّي إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا وَ زَخَارِفَهَا.[۱]

آپ ﷺ نے دنیا سے صرف مختصر غذا حاصل کی اور اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ ساری دنیا میں سب سے زیادہ خالی پیٹ اور بھوک کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے آپ ہی تھے۔ دیکھو پیغمبر اکرم ﷺ ہمیشہ زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے، غلاموں کے انداز سے بیٹھتے تھے، اپنے ہاتھ سے اپنی جوتیاں ٹانکتے تھے، اپنے دست مبارک سے اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے تھے، بغیر زین کے سواری پر سوار ہوتے تھے اور کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ بٹھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے مکان کے دروازے پر ایسا پردہ آویزاں دیکھا جس پر تصویریں بنی ہوئی

۱۔ نہج البلاغہ، فیض، خ ۱۵۹۔

تھیں۔ تب آپ نے اپنی ایک زوجہ سے فرمایا: اسے ہٹاؤ۔ میں اس کی طرف دیکھوں گا تو مجھے دنیا اور اس کی رنگینیاں یاد آئیں گی۔

اپنا کام اپنے ہاتھوں

اگرچہ پیغمبر اکرم ﷺ بلند ترین روحانی درجے پر فائز تھے اور سماجی زاویے سے مسلمانوں کے دل آپ کی محبت سے سرشار تھے نیز وہ ہر وقت پروانوں کی طرح آپ کو اپنے حلقے میں لئے رہتے تھے اور آپ کے گھر کے اندر بھی آپ کا بے حد احترام تھا اس کے باوجود آپ کو یہ بات ہر گز پسند نہ تھی کہ کوئی شخص آپ کے ذاتی کام انجام دے۔ اپنے کاموں کو آپ خود ہی انجام دیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ دوسروں کی شخصیت کا احترام بجالاتے تھے، خود کو دوسروں سے ممتاز نہیں سمجھتے تھے اور دوسروں کو خود اعتمادی کا درس بھی دیتے تھے۔

مرحوم دیلمی نے اپنی کتاب ارشاد القلوب میں روایت کی ہے:

كَانَ النَّبِيُّ يَرْقَعُ ثَوْبَهُ وَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ وَ يَحْلُبُ شَاتَهُ وَ يَأْكُلُ مَعَ الْعَبْدِ وَ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ وَ يُرْدِفُ وَ لَا يَمْنَعُهُ الْحَيَاءُ أَنْ يَحْمِلَ حَاجَةً مِنَ السُّوقِ إِلَى أَهْلِ [1]

رسول خدا ﷺ اپنے کپڑوں میں خود ہی پیوند لگاتے تھے، اپنے ہاتھوں سے اپنے جوتے ٹانکتے تھے، اپنی بکریوں کا دودھ خود دوہتے تھے، غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، زمین پر بیٹھا

۱۔ باب ۳۲، ص ۱۵۵۔

کرتے تھے،اور کسی قسم کی شرمندگی محسوس کیے بغیر اپنی ضرورت کا سامان بازار سے خرید کر خود ہی اٹھالاتے تھے۔

اسی طرح یہ بھی نقل ہوا ہے:

ایک بار رسول خدا ﷺ نے کچھ دوستوں کے ساتھ کئی گھنٹے کا سفر طے کیا۔ پیدل اور سوار تمام لوگوں کے چہروں پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ پھر قافلہ ایک ایسے مقام پر اترا جہاں ایک کنواں یا ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ رسول خدا ﷺ اپنے اونٹ کو بٹھا کر اس سے نیچے اترے۔ آپ کے ساتھی ہر کام سے پہلے پانی تک پہنچنا چاہتے تھے تا کہ نماز کے لئے تیار ہو سکیں۔ رسول خدا ﷺ بھی اونٹ سے اتر کر پانی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی آپ کچھ ہی دور گئے تھے کہ کچھ کہے بغیر اپنے اونٹ کے پاس واپس آ گئے۔ آپ کے ساتھی یہ سوچنے لگے کہ شاید آپ کو یہ جگہ پسند نہیں آئی ہے اور آپ قافلے کو روانہ ہونے کا حکم دیں گے۔ سب کی آنکھیں آپ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور کان آپ کا فرمان سننے کے لئے آمادہ تھے۔ ان لوگوں کی حیرت اس وقت مزید بڑھ گئی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ آپ نے اپنے اونٹ کے پاس پہنچ کر اس کے دونوں پیروں کو رسی سے باندھ دیا اور دوبارہ پانی کی طرف روانہ ہو گئے آپ کے ساتھیوں نے حیرانگی کے عالم میں آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ آپ نے ہمیں کیوں اس کا حکم نہیں دیا؟ ہم تو فخر کے ساتھ آپ کی ہر خدمت کے لئے تیار ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جواب دیا: اپنے کاموں میں کسی سے کوئی مدد نہ لو اور دوسروں پر بھروسہ نہ کرو چاہے ایک مسواک کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔[1]

۱۔ کحل البصر، ص۶۹۔

ظاہری زیب وزینت

پیغمبر اکرم ﷺ اپنے جسم کی ظاہری آرائش اور صفائی کا مکمل خیال رکھتے تھے۔ آپ کی نظر میں بدن کی ظاہری آرائش اور باطن پر توجہ رکھنے کے درمیان کوئی منافات نہیں تھا۔ خداوند عالم کی بندگی اور تہذیب روح کے باوجود آپ اپنے ظاہری حسن وجمال پر بھرپور توجہ دیتے تھے۔ آپ خوشبو استعمال کرتے تھے اور بالوں میں کنگھی کرتے تھے۔ آپ کے کپڑے ہمیشہ دیدہ زیب اور صاف ستھرے ہوتے تھے۔ آپ گھر سے باہر نکلتے وقت آئینہ دیکھتے تھے۔ جب بھی وضو کرتے تو اس سے پہلے مسواک ضرور فرماتے تھے۔ آپ کے کپڑوں اور جوتوں کے رنگوں میں ایک دوسرے سے تناسب پایا جاتا تھا۔ آپ جو عمامہ پہنتے تھے اس سے آپ کا قد اور کھل جاتا تھا۔ آپ خود ہی فرماتے تھے:

ان الله جميل و يحب الجمال [1]

بیشک خداوند عالم جمیل ہے اور حسن وخوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے بدن اور کپڑوں کی آرائش پر کس قدر توجہ دیتے تھے؟ اس سلسلے میں متعدد احادیث موجود ہیں جن میں سے بعض یہاں نقل کی جارہی ہیں۔

۱۔ علامہ طبرسیؒ نقل کرتے ہیں:

۱۔ نہج الفصاحہ، ص ۱۵۹۔

كَانَ يَنْظُرُ فِي الْمِرْآةِ وَ يُرَجِّلُ جُمَّتَهُ وَ يَمْتَشِطُ وَ رُبَّمَا نَظَرَ فِي الْمَاءِ وَ سَوَّى جُمَّتَهُ فِيهِ وَ لَقَدْ كَانَ يَتَجَمَّلُ لِأَصْحَابِهِ فَضْلًا عَلَى تَجَمُّلِهِ لِأَهْلِهِ وَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا خَرَجَ إِلَى إِخْوَانِهِ أَنْ يَتَهَيَّأَ لَهُمْ وَ يَتَجَمَّلَ.[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ آپ آئینہ دیکھا کرتے تھے، بالوں کو صاف کر کے ان میں کنگھی کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی (اگر آئینہ نہیں ہوتا تھا تو) پانی میں دیکھ کر کنگھی فرمایا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے گھر والوں کے لئے ہی نہیں بلکہ اپنے اصحاب کے لئے بھی اپنی زینت کا اہتمام کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے: خداوند عالم یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ جب اپنے دینی بھائیوں سے ملاقات کرنے کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلے تو وہ بن سنور کر باہر جائے۔

۲۔عطر لگانے سے انسانی حسن اور کشش میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ آنحضرت اسے بے حد پسند فرماتے تھے۔

كان رسول الله ينفق على الطيب أكثر مما ينفق على الطعام.[۲]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے سے زیادہ عطر پر رقم خرچ کیا کرتے تھے۔

۳۔ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا جس کے بال الجھے ہوئے تھے اور داڑھی بے تکی بڑھی ہوئی تھی۔آپ نے فرمایا: کیا اسے اپنے بالوں میں کنگھی کرنے کے لئے تیل نصیب

۱۔ مکارم الاخلاق، ج۱، ص۳۶۔

۲۔ مکارم الاخلاق، ج۱، ص۶۶۔

نہیں ہوا ؟ میرے پاس کچھ ایسے لوگ آتے ہیں جن کی شکل و صورت شیطان کی طرح رہتی ہے۔[۱]

۴۔امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی راستے سے گزرتے تھے تو اس کے دو تین دن بعد وہاں سے گزرنے والے آپ کی باقی ماندہ خوشبو سونگھ کر یہ سمجھ جاتے تھے کہ وہاں سے آپ کا گزر ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو عطر بھی لایا جاتا تھا آپ اسے لگا لیتے تھے اور فرماتے تھے: عطر کی خوشبو دل پسند ہوتی ہے اور اسے ساتھ رکھنا بھی آسان ہے۔[۲]

۱۔ المحجۃ البیضاء، ج۱، ص ۳۰۹۔

۲۔ مکارم الاخلاق، ج۱، ص ۶۶۔

خواتین کا احترام

پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے عربوں کے درمیان عورتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور عام طور پر ان کا کوئی حق ادا نہیں ہوتا تھا لیکن چونکہ تمام انسانوں کی عزت اور ان کا احترام بجالانا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے اس لئے پیغمبر اکرم ﷺ عورتوں کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق ادا کرنے کی بھی بے حد تاکید فرماتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی اس حقیقت کی عملی تفسیر ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ يُسَلِّمُ عَلَى النِّسَاءِ وَ يَرْدُدْنَ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَ كَانَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ع يُسَلِّمُ عَلَى النِّسَاءِ وَ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَى الشَّابَّةِ مِنْهُنَّ وَ يَقُولُ أَتَخَوَّفُ أَنْ يُعْجِبَنِي صَوْتُهَا فَيَدْخُلَ عَلَيَّ أَكْثَرُ مِمَّا أَطْلُبُ مِنَ الْأَجْرِ.[1]

رسول اللہ ﷺ عورتوں کو سلام کرتے تھے اور وہ بھی آپ کے سلام کا جواب دیا کرتی تھیں لیکن امیر المومنینؑ (سن رسیدہ) عورتوں کو سلام کرتے تھے مگر کم عمر عورتوں کو سلام کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے: مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے ان کی آواز نہ بھانے لگے اور جتنا ثواب ملنے کی امید ہے اس سے زیادہ نقصان نہ ہو جائے۔

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۶۴۸۔

عورتوں کو سلام کر کے آنحضرت ﷺ نے در حقیقت اپنے ماننے والوں کو یہ سبق دیا ہے کہ عورت کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔

عورتوں کے احترام کے معاملے میں آنحضرت ﷺ کی دوسری سیرت یہ تھی کہ آپ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ آپ اپنے کپڑے سیتے تھے، خود گھر کا دروازہ کھولتے تھے اور بکری یا اونٹنی کا دودھ دوہتے تھے۔ جب آپ کے خادم تھک جاتے تھے تو خود ہی گیہوں یا جو صاف کرنے لگتے تھے۔ رات کو سوتے وقت وضو کرنے کے لئے خود ہی پانی رکھتے تھے، گوشت کی بوٹیاں بناتے تھے اور گھر والوں کی مشکلات میں ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ [1]

عورتوں کے احترام کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے: [2]

أَلَا خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِنِسَائِهِ وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِنِسَائِي.

تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر کی عورتوں کے لئے سب سے بہتر ہے اور میں عورتوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں۔

۱۔ سنن النبی، ص ۷۳۔

۲۔ المحجۃ البیضاء، ج ۳، ص ۹۸۔

خوش مزاجی

اسلامی تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مطابق خوش طبعی اس وقت نیک کام ہے جب اس سے کسی کی توہین نہ کی جائے اور کسی کا مذاق نہ اڑایا جائے بلکہ اس کا مقصد صرف مومنین کو خوش کرنا ہو۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ اپنے اصحاب کو خوش طبعی کی تلقین کرنے کے علاوہ خود بھی ان سے مزاح فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ الله لَيَسُرُّ الرَّجُلَ مِنْ أَصْحَابِه إِذَا رَآهُ مَغْمُوماً بِالْمُدَاعَبَةِ و كان يقول إن الله يبغض المعبس في وجه إخوانه. [1]

جب رسول خدا کسی شخص کو غمزدہ پاتے تھے تو مزاح کے ذریعے اسے خوش کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ خداوند عالم اس شخص سے ناراض ہوتا ہے جو اپنے مومن بھائی کے سامنے ماتھے پر بل ڈالے۔

روایات میں آنحضرت ﷺ کی خوش مزاجی کے متعدد واقعات موجود ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ نمونے کے طور پر کیا جارہا ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا خادم (انجشہ) آپ کی کسی بیوی کے اونٹ کے لئے حدی (وہ ترانہ جس کو سن کر اونٹ تیز چلنے لگتا ہے) پڑھ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے انجشہ! شیشوں کے

۱۔ سنن النبی، ص ۶۰۔

ساتھ مدارا کرو۔(یعنی چونکہ عورتیں نازک اندام اور کمزور ہوتی ہیں اس لئے اونٹ کے تیز دوڑنے کی وجہ سے وہ ڈر کر نیچے گر سکتی ہیں۔)[۱]

۲۔ایک عورت نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کا نام لیا۔آنحضرت نے فرمایا: تمہارا شوہر وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے ؟اس نے کہا کہ اس کی آنکھ میں تو کوئی سفیدی نہیں ہے۔عورت نے اپنے گھر آکر اپنے شوہر کو پورا ماجرا سنادیا۔شوہر نے کہا: کیا تمہیں نہیں دکھائی دیتا کہ میرے آنکھ کی سفیدی اس کی سیاہی سے زیادہ ہے ؟[۲]

۳۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن قبیلہ شجع کی ایک بڑھیا سے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔بلال حبشیؓ جو سیاہ پوست تھے نے جب اس عورت کو رنجیدہ خاطر دیکھا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے بارے میں مطلع کیا۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کالے بھی جنت میں نہیں جاسکتے۔ابھی تک بلالؓ اور وہ بڑھیا ہی رنجیدہ خاطر تھے کہ اچانک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جناب عباس (جو بوڑھے تھے)وہاں آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا حال دل بیان کرنے لگے۔آپ نے فرمایا: بوڑھے بھی جنت میں نہیں جائیں گے۔کچھ دیر بعد آپ نے ان سب لوگوں کو بلا کر ان کی دلجوئی کی اور فرمایا: خداوند عالم بوڑھے مردوں، عورتوں

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۹۴۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۹۴۔

اور کالوں کو بہترین شکل و صورت میں محشور کرے گا۔ یہ لوگ نورانی (چہروں کے ساتھ) اور جوان ہو کر جنت میں جائیں گے۔ [1]

۴۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت یہ تھی کہ آپ اپنے دوستوں کو اپنے سامنے ہنسی مذاق کرنے کی چھوٹ دیتے تھے۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے ناپسندیدہ مذاق سے پرہیز کرتے تھے لیکن پسندیدہ مزاح کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے جس کی ایک مثال یہ ہے:

نعیمان ایک خوش مزاج شخص تھا۔ اس نے ایک دن ایک عرب کے پاس شہد کی ایک مشک دیکھی۔ وہ اسے حضرت عائشہ کے گھر لے گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھے کہ ہدیہ کے طور پر لایا ہے۔ نعیمان چلا گیا اور وہ دیہاتی عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر کھڑا انتظار کرتا رہا۔ جب کافی دیر ہو گئی تو اس نے آواز دی، اے بھائی! اگر تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں تو میرا شہد ہی واپس کر دو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل معاملہ سمجھ گئے اور آپ نے اسے شہد کی قیمت ادا کر دی۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا نعیمان سے ہوا تو آپ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد پسند ہے اور اس کے پاس بھی شہد بھری مشک تھی۔ نعیمان کی یہ بات سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسی آگئی اور آپ نے اسے کچھ بھی نہیں کہا۔ [2]

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۹۵۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۹۶۔

حیااور عفت

حیاوعفت اعلیٰ ترین انسانی اقدار کا حصہ ہیں۔ یہ ایسی طاقت ہیں جو انسان کی نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرتی ہیں اور انھیں حقیقی راہ کمال پر گامزن کرتی ہیں۔انسان حیاءوعفت کے گوہر سے جتنا زیادہ نزدیک ہوگا اسی مقدار وہ اپنی انسانیت سے نزدیک تر اور حیوانیت سے دور ہوتا جائے گا۔اگر حیاوعفت نہ ہوتی تو انسان کی نفسانی خواہشات کی تسکین کے سامنے کوئی رکاوٹ یا بندش نہ ہوتی جس کے نتیجے میں انسان بے راہروی اور نفسانی خواہشات کی اندھی دلدل میں غرق ہو جاتا۔

اولیائے الٰہی کا تمام انسانی فضائل و کمالات سے آراستہ ہونا ضروری ہے ۔اسی لئے رسول خدا ﷺ جو بشریت کے لئے سب سے عظیم نمونہ عمل ہیں بھی حیاءوعفت کے گوہر سے پوری طرح آراستہ تھے۔آپ کا دامن کردار کبھی بھی عفت وعصمت کے منافی امور سے آلودہ نہیں ہوا۔آپ حیاوعفت کا مجسم پیکر تھے۔آپ حیاءوعفت کے اس معراج پر فائز تھے کہ اگر کسی مباح کام میں بھی بے حیائی کا معمولی امکان ہوتا تو آپ اس سے بھی پرہیز کرتے تھے،امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کے عادات واطوار کے بارے میں ارشاد فرمایاہے:

إِذَا جَلَسَ لَمْ يَحُلَّ حِبْوَتَهُ حَتَّى يَقُومَ جَلِيسُهُ.[1]

۱۔ تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۲۰۳۔

جب پیغمبر اکرم ﷺ کسی کے ساتھ بیٹھتے تھے تو جب تک وہ آپ کے پاس سے چلا نہیں جاتا تھا آپ اپنے بدن سے کپڑا نہیں ہٹاتے تھے۔

اس طرح ابو سعید خدری سے نقل ہوا ہے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا وَ كَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئاً عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.[1]

رسول خدا پردہ نشین لڑکیوں سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ جب آپ کو کوئی چیز پسند نہیں آتی تھی تو ہمیں آپ کے چہرے سے اس کا اندازہ ہو جاتا تھا۔

۱۔ مکارم الاخلاق، ج ۱، ص ۱۷۔

بچوں کا خیال

اگرچہ قوم کا مستقبل بچّوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے مگر وہ اپنی کمسنی کی وجہ سے بزرگوں کی نظروں سے دور رہتے ہیں۔ بسا اوقات انہیں تحقیر آمیز نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اس کے بالکل برعکس تھی۔ آپ بچوں کا احترام کرتے تھے، انہیں عزت دیتے تھے اور ان کے مقام و مرتبے کا خیال رکھتے تھے۔ آپ کا یہ حکم تھا کہ گھر کے بزرگ گھر کے اندر بچوں کے ساتھ کھیلیں۔

اگر بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے تو ان کے اندر اپنی شخصیت کا احساس پیدا ہوگا۔ اگر وہ اپنے والدین سے کسی بات پر ناراض ہوں تو یہ ناراضگی دور ہو جائے گی اور وہ انہیں اپنا دوست سمجھیں گے حاکم نہیں۔ والدین اسی کھیل کے دوران انہیں زندگی گزارنے کے صحیح طور طریقے بھی سکھا سکتے ہیں۔

یہاں بچوں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایتوں اور مہربانیوں کے چند نمونے پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ كَانَ رَسُولُ اللهِ يَسْمَعُ صَوْتَ الصَّبِيِّ يَبْكِي وَ هُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيُخَفِّفُ الصَّلَاةَ فَتَصِيرُ إِلَيْهِ أُمُّه [1]

۱۔ علل الشرائع، ج ۲، ص ۳۳، سنن النبی، ص ۲۷۳۔

اگر رسول خداﷺ نماز میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تھے تو نماز کو جلد ختم کر دیتے تھے تاکہ اس کی ماں جا کر اسے سنبھال لے۔

۲۔ جب رسول خداﷺ انصار کے بچوں کو دیکھتے تھے تو ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے، انہیں سلام کرتے تھے اور ان کے لئے دعا فرماتے تھے۔ [۱]

۳۔ جب آنحضرتﷺ سفر سے واپس آتے تھے تو بچے آپ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑتے تھے۔ آپ انہیں دیکھ کر رک جاتے، انہیں اپنے ساتھ سوار کرنے کا حکم دیتے تھے، خود بھی بچوں کو اپنی سواری پر سوار کر لیتے تھے اور اصحاب کو حکم دیتے تھے کہ وہ باقی بچوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیں۔ [۲]

۴۔ وَ كَانَ يُؤْتَى بِالصَّبِيِّ الصَّغِيرِ لِيَدْعُوَ لَهُ بِالْبَرَكَةِ أَوْ يُسَمِّيَهُ فَيَأْخُذُهُ فَيَضَعُهُ فِي حِجْرِهِ تَكْرِمَةً لِأَهْلِهِ فَرُبَّمَا بَالَ الصَّبِيُّ عَلَيْهِ فَيَصِيحُ بَعْضُ مَنْ رَآهُ حِينَ بَالَ فَيَقُولُ : لَا تَزْرَمُوا [تُزْرِمُوا] بِالصَّبِيِّ فَيَدَعُهُ حَتَّى يَقْضِيَ بَوْلَهُ ثُمَّ يَفْرُغُ لَهُ مِنْ دُعَائِهِ أَوْ تَسْمِيَتِهِ وَ يَبْلُغُ سُرُورُ أَهْلِهِ فِيهِ وَ لَا يَرَوْنَ أَنَّهُ يَتَأَذَّى بِبَوْلِ صَبِيِّهِمْ فَإِذَا انْصَرَفُوا غَسَلَ ثَوْبَهُ بَعْدُ. [۳]

۱۔ شرف النبی، ص ۶۵۔

۲۔ شرف النبی، ص ۸۵۔

۳۔ مکارم الاخلاق، ج ۱، ص ۲۵۔

جب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دعائے خیر و برکت کے لئے بچوں کو لے آتے تھے تو آپ اس کے گھر والوں کے احترام میں اسے اپنی گود میں بٹھا لیتے تھے۔ گاہے ایسا بھی ہوتا تھا کہ بچہ آپ کی گود میں پیشاب کر دیتا تھا۔ جو شخص بچے کو پیشاب کرتے ہوئے دیکھتا تھا وہ چلانے لگتا تھا لیکن رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے: بچے کو سختی سے نہ روکو اور اسے پیشاب کر لینے دو۔ جب آپ دعا کر دیتے تھے یا اس کا نام رکھ دیتے تھے تو بچہ کے اعزاء اسے ہنسی خوشی لے کر واپس چلے جاتے تھے اور انہیں آنحضرت ﷺ کے چہرے پر کسی طرح کی ناگواری کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ان کے جانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اپنے لباس کو پاک کر لیتے تھے۔

عفواورایثار

ہر طرح کے حالات میں عفووایثار ایک ایسی بیش قیمت صفت ہے جس کو دنیا کے تمام لوگ اور ہر مذہب وملت کے متوالے عظمت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جو لوگ کسی کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں یا غیروں کے لئے کسی بھی قسم کی قربانی پیش کرتے ہیں تمام لوگوں کی نظروں میں ان کی اہمیت کچھ اور ہوتی ہے۔

قرآن کریم جو تمام انسانوں کے لئے عظیم مربی کی حیثیت رکھتا ہے نے ان نورانی اقدار کی تاکید ان الفاظ میں کی ہے:

﴿...وَ لْيَعْفُوا وَ لْيَصْفَحُوا أَ لا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيم﴾ [1]

قرآن کریم نے نہ صرف یہ کہ عفووودر گزر کو ایک اچھا کام قرار دیا ہے بلکہ برائی کے بدلے نیکی کرنے کو اس سے بھی بہتر قرار دیا ہے جیسا کہ مومنین کی تعریف میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿... وَ يَدْرَؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْناهُمْ يُنْفِقُون﴾ [2]

"اور وہ لوگ برائی کو اچھائی (نیکی) کے ذریعہ دور کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ روزی انہیں دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

۱۔ نور: آیت ۲۲۔

۲۔ قصص: آیت ۵۴۔

برائی کے بدلے میں نیکی کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔اس کے لئے زبردست اصلاح نفس اور اخلاص کی ضرورت ہے جیسا کہ خواجہ عبداللہ انصاری نے کہا ہے:

"برائی کا جواب برائی سے دینا کتوں کا مزاج ہے۔اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا گدھوں کا کام ہے اور برائی کا جواب اچھائی سے دینا خواجہ عبداللہ انصاری کا کام ہے۔"

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیا جائے کہ برائی کا جواب برائی کے ذریعے یا اچھائی کا جواب اچھائی کے ذریعے دینا ایک عام سی بات ہے لیکن برائی کے جواب میں کسی کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا حیوانیت سے بالاتر اور انسانی اقدار کے مطابق ہے جو صرف حقیقی انسانوں کے بس کی بات ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی سیرت قرآن مجید کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔آپ عفو و درگذر سے بھی کام لیتے تھے اور بدی کے مقابلے میں نیکی بھی کرتے تھے۔اس کا مشاہدہ ائمہ معصومینؑ کی سیرت میں بھی جگہ جگہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کے بارے میں منقول ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ لَمْ يَنْتَقِمْ لِنَفْسِه مِنْ أَحَدٍ قَطُّ بَلْ كَانَ يَعْفُو وَ يَصْفَح.[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ جو لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے تھے آپ انہیں معاف فرمادیتے تھے۔"

۱۔ مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۸۷۔

مندرجہ ذیل واقعہ رسول اللہ ﷺ کے عفو ودر گذر کا ایک نمونہ ہے:

ایک روز ایک دیہاتی رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے کسی چیز کا سوال کیا۔ رسول خدا ﷺ نے اسے وہ چیز دیدی اور اس سے پوچھا: کیا میں نے تمہارے ساتھ نیک سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں آپ نے میرے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی ہے۔ اس کے اس ناشکرے پن کو دیکھ کر آپ کے اصحاب کو غصہ آگیا۔ انہوں نے اس کی کچھ تنبیہ کرنا چاہی لیکن پیغمبر اکرم ﷺ نے انہیں روک دیا۔ اس کے بعد آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے مزید عنایات سے نوازتے ہوئے فرمایا: کیا اب میں نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: تم نے اصحاب کے سامنے مجھے جو کچھ کہا ہے اس کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تم سے کچھ بد ظن ہو گئے ہوں۔ لہٰذا اگر تم بہتر سمجھو تو ان کے سامنے اپنی اس رضایت اور خوشی کا اعلان کر دو تا کہ ان کے ذہن سے تمہارے بارے میں ہر غلط خیال نکل جائے۔ پس وہ شخص اصحاب کے درمیان آیا۔ آپ نے فرمایا: یہ شخص مجھ سے خوش ہو گیا ہے۔ کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ خداوند آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو جزائے خیر عطا کرے۔

تب پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کی اور میری مثال اس اونٹ والے کی سی ہے جس کا اونٹ بھاگ گیا تھا اور لوگ اس اونٹ کو پکڑنے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ اونٹ ان کی چیخ و پکار سن کر مزید تیز دوڑنے لگتا تھا۔ پس اس کے مالک نے کہا: تم لوگ اسے یونہی رہنے دو۔ میں خود اسے

سدھانا جانتا ہوں۔(وہ ایک مٹھی گھاس لے آیا) اس نے آگے بڑھ کر اونٹ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اس کے اوپر سے مٹی وغیرہ صاف کرنے لگا پھر آہستہ سے اس کی مہار پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گیا۔ اگر کل میں آپ حضرات کو نہ روکتا تو آپ اسے اس کی بد زبانی کی سزا میں قتل کر ڈالتے اور اس طرح وہ جہنم میں چلا جاتا۔ [1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف اپنے ذاتی کاموں میں بخشنے والے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس الٰہی اصول کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْعَفْوِ فَإِنَّ الْعَفْوَ لَا يَزِيدُ الْعَبْدَ إِلَّا عِزّاً فَتَعَافَوْا يُعِزَّكُمُ اللَّهُ. [2]

عفو و درگذشت کو اپناؤ کیونکہ معاف کرنے سے انسان کی عزت میں اضافہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایک دوسرے کو معاف کر دو تا کہ اللہ تمہیں عزت عطا کرے۔

اسی طرح آپ نے ایک دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرمایا ہے:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ خَلَائِقِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ؟ الْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَ الْإِحْسَانُ إِلَى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ وَ إِعْطَاءُ مَنْ حَرَمَكَ۔ [3]

۱۔ سفینۃ البحار، ج۱، ص ۴۱۶۔

۲۔ مرآۃ العقول، ج۸، ص ۱۹۴۔

۳۔ مرآۃ العقول، ج۸، ص ۱۹۲۔

یاد رکھنا: میں تمہیں دنیااور آخرت کی بہترین چیزوں کا پتہ دے رہاہوں، جو تمہارے اوپر ظلم کرے اسے معاف کردو، جو تم سے تعلقات توڑدے تم اس سے تعلقات باقی رکھواور جو تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے اس کے ساتھ احسان کرو نیز جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کرو۔

دوسروں کی تعظیم

دوسروں کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آنا وہ بہترین صفت ہے جس کی خود اسلام نے نہ صرف تائید کی بلکہ یہ انبیاو آئمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت بھی رہی ہے، خاص طور پر پیغمبر اکرم ﷺ اس کا مکمل خیال رکھتے تھے اور ہر شخص کے مرتبے کے حساب سے اس کا احترام کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں کتب تاریخ و سیرت وغیرہ میں متعدد واقعات نقل ہوئے ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

1۔وَ مَا قَعَدَ إِلَى رَسُولِ الله رَجُلٌ قَطُّ فَقَامَ حَتَّى يَقُومَ. [1]

جب کوئی شخص رسالتمآب ﷺ کی خدمت میں آکر بیٹھ جاتا تھا تو آپ اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک وہ خود کھڑا نہیں ہوتا تھا۔

۲۔"لقد كان يدعوا اصحابه بكناهم اكراماً لهم و استمالة لقلوبهم و يكنى من لم يكن له كنية فكان يدعى بما كناه به و يكنى ايضا النساءاللاتى لهن الاولاد و اللاتى لم يلدن و يكنى الصبيان." [2]

۱۔ مکارم الاخلاق، ج۱، ص ۱۵۔

۲۔ احیاء العلوم، ج ۲، ص ۳۶۳۔

پیغمبر اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے احترام کی خاطر اور ان کے دلوں کو اپنی جانب جذب کرنے کے لئے ان کا نام لینے کی بجائے انہیں ان کی کنیت کے ذریعے پکارا کرتے تھے۔ اگر کسی کی کوئی کنیت نہ ہوتی تو آپ اس کے لئے کوئی کنیت رکھ دیا کرتے تھے۔ پھر لوگ اسے اسی کنیت کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ اسی طرح آپ صاحب اولاد اور بے اولاد عورتوں یہاں تک کہ بچوں تک کی کنیت معین فرماتے تھے۔

۳۔ دوسروں کے ساتھ رسول خدا ﷺ کے بیٹھنے کے حسین انداز کا تذکرہ امیر المومنین علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"رسول خدا ﷺ کو کبھی کسی کے سامنے پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا ہے۔" [۱]

۴۔ آنحضرت ﷺ اپنے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ بھی بے حد ادب و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس سلسلے میں انس بن مالک کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

"و الذی بعثه بالحق ما قال لی فی شیءقط کرهه لم فعلته ؟ و لا لامنی نسائهٗ الا قال:دعوه، انما کان هذا بکتاب و قدر." [۲]

اس ذات کی قسم! جس نے آنحضرت ﷺ کو برحق مبعوث کیا ہے، اگر آپ کو کوئی چیز ناگوار گزرتی تھی تب بھی آپ کبھی مجھ سے اس کے بارے میں یہ نہیں فرماتے تھے کہ تم نے ایسا کیوں

۱۔ مکارم الاخلاق، ج۱، ص ۲۲۔
۲۔ سنن النبی، ص ۶۷۔

کیا ہے۔ جب بھی آنحضرت ﷺ کی ازواج کسی بات پر میری ملامت کرتیں تو آپ فرماتے تھے: اسے کچھ نہ کہو، مقدر میں یہی تھا۔"

۵۔ آپ مہمانوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ اسے گھر کے دروازے تک چھوڑنے کے لئے جانا آپ کی سنت تھی۔ جب آپ کے یہاں کوئی مہمان آتا تھا تو آپ اس کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور جب تک وہ کھانے سے ہاتھ نہیں روک لیتا تھا آپ کھانے میں مشغول رہتے تھے۔

تواضع وانکساری

لوگوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنا اور ہر قسم کے غرور و تکبر سے دور رہنا ایک عظیم انسانی صفت ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ کے یہاں اعلیٰ ترین شکل میں پائی جاتی تھی۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے درمیان آپ کی محبوبیت کی ایک اہم وجہ لوگوں کے ساتھ آپ کا تواضع و انکساری سے پیش آنا ہے۔ قارئین کرام کی مزید آگہی کے لئے آنحضرت ﷺ کے انکسار کے چند نمونے پیش کیے جارہے ہیں:

۱۔"كَانَ رَسُولُ اللهِ إِذَا دَخَلَ مَنْزِلًا قَعَدَ فِي أَدْنَى الْمَجْلِسِ إِلَيْهِ حِينَ يَدْخُلُ"[۱]

جب رسول خدا ﷺ کسی جگہ جاتے تھے تو وہاں داخل ہونے کے بعد دروازے سے قریب ترین جگہ پر بیٹھتے تھے۔

۲۔ "أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُقَامَ لَهُ فَكَانُوا إِذَا قَدِمَ لَا يَقُومُونَ لَهُ لِعِلْمِهِمْ كَرَاهَتَهُ ذَلِكَ فَإِذَا قَامَ قَامُوا مَعَهُ حَتَّى يَدْخُلَ مَنْزِلَهُ"[۲]

رسول خدا ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا کہ کوئی آپ کے احترام میں کھڑا ہو یہی وجہ ہے کہ جب آپ تشریف لاتے تھے تو کوئی بھی کھڑا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کو یہ بات پسند نہیں

۱۔ مکارم الاخلاق، ج۱، ص۲۵۔

۲۔ مستدرک الوسائل، ج۹، ص۱۵۹۔

ہے البتہ جب آپ اٹھ کر جانے لگتے تھے تو اصحاب بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے تھے اور آپ کو آپ کے دروازے تک پہنچاتے تھے۔

۳۔ آپ کے عظیم صحابی جناب ابوذرؓ کا بیان ہے: كانَ رَسُولُ الله يَجْلِسُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ أَصْحَابِه فَيَجِيءُ الْغَرِيبُ فَلَا يَدْرِي أَيُّهُمْ هُوَ حَتَّى يَسْأَلَ فَطَلَبْنَا إِلَى النَّبِيِّ أَنْ يَجْعَلَ مَجْلِساً يَعْرِفُهُ الْغَرِيبُ إِذَا أَتَاهُ فَبَنَيْنَا لَهُ دُكَّاناً مِنْ طِينٍ وَ كَانَ يَجْلِسُ عَلَيْهِ وَ نَجْلِسُ بِجَانِبَيْه [1]

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان یوں بیٹھتے تھے کہ جب کوئی اجنبی آتا تھا تو وہ نہیں پہچان پاتا تھا کہ ان میں سے کون رسول ہیں۔ پس ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اپنے لئے ایک خاص جگہ معین فرمائیں تاکہ جب نووارد لوگ آپ کے پاس آئیں تو وہ آپ کو پہچان سکیں۔ پس ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مٹی کا ایک چبوترہ بنادیا۔ آپ اسی پر بیٹھا کرتے تھے اور ہم لوگ آپ کے چاروں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندگان خدا کے سامنے جتنی تواضع وانکساری کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ اپنے پروردگار کے سامنے اس کا خیال رکھتے تھے تاکہ خدانخواستہ کسی طرح کا غرور و تکبر پیدا نہ ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

۱۔ مکارم الاخلاق، ج ۱، ص ۱۷۔

"مَا أَكَلَ رَسُولُ الله مُتَّكِئاً مُنْذُ بَعَثَهُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَى أَنْ قَبَضَهُ وَ كَانَ يَأْكُلُ إِكْلَةَ الْعَبْدِ وَ يَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ قُلْتُ وَ لِمَ ذَلِكَ؟ قَالَ تَوَاضُعاً لله عَزَّوَجَل" [۱]

جب سے خداوند عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رسول بنایا تھا اس وقت سے لے کر اپنی وفات تک آپ نے کبھی کسی چیز پر ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا بلکہ آپ ہمیشہ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے تھے اور ان ہی کی طرح بیٹھتے تھے۔ (راوی کا بیان ہے:) میں نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ امام نے فرمایا: خداوند عزوجل کے سامنے تواضع کے لئے۔

۱۔ دعائم الاسلام، ج ۲، ص ۱۱۹۔

عہد کی پابندی

ایفائے عہد انسان کی مثبت شخصیت اور صداقت و سچائی کی علامت ہے۔ اس سے معاشرے کے اندر لوگوں کے باہمی تعلقات کے استحکام میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ عظیم انسانی خصوصیت بھی آنحضرت ﷺ کی گھریلو زندگی سے لے کر معاشرتی اور سیاسی زندگی کے میدانوں تک ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔

بعثت سے پہلے کی زندگی ہو یا اس کے بعد کا زمانہ، ہر دور میں جناب رسالتمآب ﷺ ایفائے عہد کے بلند ترین مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ آپ نے جس دوست یا دشمن سے کوئی معاہدہ یا وعدہ کیا اسے ضرور پورا کیا۔ جب تک دوسرا فریق وعدہ خلافی یا عہد شکنی نہیں کرتا تھا آپ اپنے وعدے پر باقی رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایسا کوئی ایک واقعہ بھی نقل نہیں ہوا جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے کسی وعدے یا معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو بلکہ آپ اپنے کیے ہوئے وعدوں کو ضرور پورا کرتے تھے اگرچہ آپ کو نقصان ہی اٹھانا کیوں نہ پڑے۔ آپ کی نگاہ میں افائے عہد کی کتنی اہمیت تھی؟ اسے جاننے کے لئے آپ کی سیرت کے چند واقعات بطور نمونہ پیش کیے جارہے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ وَعَدَ رَجُلًا إِلَى صَخْرَةٍ فَقَالَ أَنَا لَكَ هَاهُنَا حَتَّى تَأْتِيَ قَالَ فَاشْتَدَّتِ الشَّمْسُ عَلَيْهِ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَّكَ تَحَوَّلْتَ إِلَى الظِّلِّ قَالَ قَدْ وَعَدْتُهُ إِلَى هَاهُنَا وَ إِنْ لَمْ يَجِئْ كَانَ مِنْهُ الْمَحْشَرُ [۱]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے یہ وعدہ کیا کہ جب تک وہ نہیں آئے گا آپ ایک بڑے پتھر کے پاس اس کا انتظار کرتے رہیں گے۔ کچھ دیر بعد دھوپ تیز ہو گئی۔ اصحاب نے عرض کی: اگر آپ سائے میں تشریف لے آئیں تو کیا حرج ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے اس سے اس جگہ ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ لہٰذا اگر وہ نہ آیا تو وعدہ خلافی اس کی طرف سے ہو گی۔

۲۔ عہدِ جاہلیت میں قریش کے کچھ غیر تمند اور انصاف پسند لوگوں نے مظلوموں کی حمایت کے لئے ایک معاہدہ کیا تھا جس کا نام "حلف الفضول" تھا۔ اس میں پیغمبر اکرم ﷺ بھی شامل تھے۔ آپ نہ صرف یہ کہ بعثت سے پہلے اس معاہدہ کے پابند رہے بلکہ بعثت کے بعد بھی آپ نے اس کی مکمل پابندی کی بلکہ اس کے بعد جب کبھی بھی آپ کو وہ معاہدہ یاد آتا تھا تو آپ فرماتے تھے: میں اپنا معاہدہ (عہد و پیمان) ہر گز نہیں توڑ سکتا چاہے اس کے بدلے مجھے اپنی قیمتی ترین چیز ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ [۲]

۱۔ ج ۷۵، ص ۹۵۔

۲۔ سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۱۔

۳۔جناب عمار یاسر کہتے ہیں:

میں اپنی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا اور محمد مصطفی ﷺ بھی بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ایک دن میں نے آپ سے کہا: "مجھے ایک بہت اچھی چراگاہ معلوم ہے جو "فج" نامی علاقے میں ہے۔ کیا آپ کل وہاں چلنے کے لئے تیار ہیں؟" آپ نے فرمایا: "بالکل۔" جب صبح میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھا کہ محمد مصطفی ﷺ وہاں پہلے سے ہی موجود ہیں مگر آپ اپنی بھیڑ بکریوں کو ابھی تک چرانے کے لئے چراگاہ کے اندر نہیں لے گئے ہیں۔ میں نے کہا: ابھی تک آپ یہیں کھڑے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: "کل میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم دونوں اپنی بکریوں کو ایک ساتھ چرائیں گے۔ مجھے وعدہ خلافی پسند نہیں ہے لہٰذا میرا دل نہیں چاہا کہ میں اپنی بکریوں کو تم سے پہلے چرانا شروع کردوں۔"[۱]

۴۔ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے عمرہ کی نیت سے مکہ جانے کا ارادہ کیا۔اس کے ساتھ ہی تمام مسلمانوں سے بھی فرمایا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ عمرہ کرنے چلیں۔ رسول خدا ﷺ کچھ لوگوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں آپ کو یہ خبر دی گئی کہ قریش کو آپ کے اس سفر کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ آپ سے جنگ کرنے کے لئے "وادی ذی طوی" تک آچکے ہیں اور انہوں نے یہ قسم کھائی ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ چونکہ پیغمبر اکرم ﷺ جنگ کرنے کی نیت سے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ عمرہ کرنے کی

۱۔ بحار الانوار، ج۱۶، ص ۲۲۴۔

غرض سے مکہ جارہے تھے اس لئے آپ نے ان سے مذاکرات کرکے صلح کرلی جو ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔اس صلح میں پیغمبر اکرم ﷺ نے چند معاہدے کیے جن میں ایک معاہدہ یہ بھی تھا:'' اگر قریش کا کوئی فرد اپنے کسی بزرگ کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو جائے اور مکہ سے فرار کرکے مسلمانوں کے پاس پناہ لینے آئے تو محمد ﷺ اسے قریش کے حوالے کریں گے لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس بھاگ کر چلا جائے تو اسے مسلمانوں کے حوالے کرنا قریش کی ذمہ داری نہیں ہو گی''۔

جس وقت پیغمبر اکرم ﷺ نے قریش کے نمائندے ''سہیل'' سے یہ معاہدہ کیا اس وقت سہیل کا بیٹا ''ابو جندل'' جو مسلمان ہو چکا تھا اور مکہ میں اپنے باپ کی قید میں تھا کسی طرح مکہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمانوں کے پاس پہنچ گیا۔ جیسے ہی سہیل نے اسے دیکھا تو کہنے لگا: صلح پر باقی رہنے اور اپنے عہد کو نبھانے کا یہ پہلا موقع ہے۔اگر تم صلح قائم رکھنا چاہتے ہو تو اسے ہمیں واپس کردو۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے قبول کرلیا اور سہیل اپنے بیٹے کا گریبان پکڑ کر اسے مکہ کی طرف لے گیا۔ ابو جندل نے (بری طرح گڑگڑاتے ہوئے) کہا: اے مسلمانو! کیا تم تیار ہو کہ یہ مجھے مشرکین کی طرف واپس لے جائے اور میں دوبارہ مشرکوں کے چنگل میں پھنس جاؤں ؟پیغمبر اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا: اے ''ابو جندل! صبر سے کام لو۔ خداوند عالم تمہارے لئے اور

تم جیسے لوگوں کے لئے آسانیاں فراہم کرے گا۔ ہم ان سے معاہدہ کر چکے ہیں اور اب اس معاہدے کو نہیں توڑ سکتے۔"[۱]

۵۔ آنحضرت ﷺ کے ایفائے عہد کا ایک اور بہترین نمونہ "ابو بصیر" کا قصہ ہے۔ ابو بصیر بھی مکہ کے ان مسلمانوں میں شامل تھے جو صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے فرار ہو کر مدینہ پہنچ گئے تھے۔ قریش کے سرداروں نے رسول خدا ﷺ کو ایک خط لکھا اور یہ خط ایک شخص کے حوالے کیا۔ وہ شخص اپنے غلام کے ساتھ خط لے کر مدینہ گیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو وہ خط ملا تو آپ نے ابو بصیر کو بلایا اور اس سے فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے قریش سے معاہدہ کر رکھا ہے اور ہمارے لئے معاہدے کی خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔ خداوند عالم تمہارے اور تم جیسے لوگوں کے لئے آسانیاں فراہم کرے گا"۔ ابو بصیر نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھے دشمن کے پاس واپس بھیج رہے ہیں تاکہ وہ مجھے میرے دین سے پلٹا دیں؟" پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے ابو بصیر! واپس چلے جاؤ کہ خداوند عالم تمہارے لئے آسانی فراہم کرے گا۔"

ابو بصیر ان دونوں کے ساتھ مدینہ سے واپس چلے گئے۔ یہ لوگ "ذوالحلیفہ" کی منزل پر پہنچے تو ایک دیوار کے نیچے آرام کرنے کے لئے اترے۔ ابو بصیر نے اس شخص کی طرف رخ کر کے کہا: تمہاری اس تلوار کی دھار تیز بھی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ ابو بصیر نے کہا: کیا میں اسے دیکھ

۱۔ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۳۲۔

سکتا ہوں ؟اس نے جواب دیا: اگر دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ لو۔ابو بصیر نے تلوار لی اور فوراً اس کے اوپر حملہ کر کے اسے وہیں مار ڈالا۔اس کے غلام نے جب یہ ماجرا دیکھا تو گھبرا کر مدینہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔رسول خدا ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک یہ غلام مسجد کے اندر داخل ہوا۔آنحضرت ﷺ کی نگاہ اس کے اوپر پڑی۔آپ نے فرمایا: اس نے کوئی بھیانک منظر دیکھا ہے۔اس کے بعد اس سے پوچھا: کیا بات ہے ؟

اس نے جواب دیا: ابو بصیر نے اس شخص کو قتل کر ڈالا ہے۔

اس کے کچھ دیر بعد ابو بصیر بھی وہاں پہنچ گیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ! آپ نے مجھے ان دونوں کے حوالے کر کے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا، لیکن مجھے اپنے دین کے لئے خطرہ محسوس ہوا۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "اگر کچھ لوگ اس مرد کا ساتھ دیں تو ایک بڑی جنگ چھڑ سکتی ہے۔"

ابو بصیر کو خطرہ تھا کہ اگر وہ مدینہ میں رہے تو کوئی اور اسے پکڑنے کے لئے آسکتا ہے۔اس لئے وہ مدینہ سے باہر چلے گئے اور دریائے احمر کے ساحل پر رہنے لگے کیونکہ قریش کے قافلے اسی راستے سے شام آیا جایا کرتے تھے۔

دوسری جانب جب مکہ میں قید اور مشکلات جھیلنے والے مسلمانوں کو ابو بصیر کا قصہ اور ان کے بارے میں رسول خدا ﷺ کا قول معلوم ہوا تو وہ بھی کسی طرح مشرکین کے چنگل سے فرار اختیار کر کے ابو بصیر کے پاس پہنچنے لگے یہاں تک کہ ان کی تعداد ستر ہو گئی۔وہ لوگ اکٹھے وہیں

رہتے تھے اور قریش کا جو آدمی انہیں مل جاتا تھا اسے قتل کر دیتے تھے۔ اگر قریش کا کوئی تجارتی قافلہ وہاں سے گزرتا تو وہ اس پر بھی حملہ کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے قریش کی ناک میں دم کر دیا۔ اس کی بنا پر قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خط لکھا اور اس میں آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ کم از کم قریش سے اپنی رشتہ داری کے خیال کی خاطر ہی سہی ان لوگوں کو مدینہ بلا لیں اور قریش کو ان کے چنگل سے نجات دیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور وہ مدینہ میں آرام سے رہنے لگے۔[1]

۱۔ سیرۂ ابن ہشام، ج۱، ص ۳۳۷۔

کام اور ہنر سیکھنے کی ترغیب

اگرچہ پیغمبر اکرم ﷺ کا جود و سخا آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ آپ کسی سائل کو اپنی عطاو بخشش سے محروم کردیں لیکن آپ ﷺ کو یہ بات بالکل پسند نہیں تھی کہ کوئی شخص بلا وجہ کاہلی اور سستی کی بناپر کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے۔اسی بناپر صرف کاہلی اور بیکاری کی روک تھام نیز دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے روکنے کے لئے بعض اوقات آپ سوال کرنے والوں اور مالی تعاون کی درخواست کرنے والوں کو کوئی کام یا مشغلہ یا کوئی صنعت وہنر سیکھنے کی نصیحت فرماتے تھے۔آپ کی نظر میں کام اور محنت کی اتنی اہمیت تھی کہ جو آدمی بیکار رہتا تھا آپ کی نظر میں اس کی اہمیت ختم ہو جاتی تھی۔

كَانَ رَسُولُ الله إِذَا نَظَرَ إِلَى الرَّجُلِ فَأَعْجَبَهُ قَالَ لَهُ حِرْفَةٌ فَإِنْ قَالُوا لَا قَالَ سَقَطَ مِنْ عَيْنِي قِيلَ وَ كَيْفَ ذَاكَ يَا رَسُولَ الله؟قَالَ لِأَنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ حِرْفَةٌ يَعِيشُ بِدِينِهِ [1]

جب پیغمبر ﷺ کسی شخص کو دیکھتے تھے اور وہ آپ کو بھلا محسوس ہوتا تھا تو آپ اس سے یہ سوال کرتے تھے کہ وہ کیا کام جانتا ہے۔اگر یہ جواب دیا جاتا کہ وہ کوئی کام نہیں جانتا تو آنحضرت ﷺ فرماتے تھے: یہ میری نظروں سے گر گیا۔کسی نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ !اس کی کیا

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۰۳، ص ۹۔

وجہ ہے ؟آپ نے فرمایا: اگر کسی بندۂ مومن کے پاس کوئی پیشہ نہ ہو تو وہ اپنے دین کو اپنا ذریعۂ معاش قرار دے دیتا ہے۔

بہتر ہے کہ قارئین کرام اس سلسلے میں دو واقعات پر توجہ فرمائیں:

ا۔ رسول اکرم ﷺ کا ایک صحابی غربت و تنگدستی کا شکار ہو گیا۔ اس کی بیوی نے اس سے کہا: تم پیغمبر کے پاس جا کر کچھ امداد طلب کرو۔ وہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: جو شخص ہم سے مانگے گا ہم اسے عطا کریں گے لیکن اگر وہ قناعت سے کام لے تو خداوند عالم اسے بے نیاز کر دے گا۔ اس شخص نے سوچا: رسول اللہ ﷺ مجھ سے مخاطب ہیں۔ پس وہ گھر واپس چلا گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو پورا ماجرا سنا دیا۔ اس عورت نے کہا: پیغمبر ﷺ بھی عام انسان ہیں۔ (کسی کے دل کی بات نہیں جانتے ہیں اور ان کی یہ بات تمہارے لئے نہیں تھی۔) جاؤ دوبارہ آنحضرت ﷺ کو اپنے حالات سے باخبر کرو۔ وہ شخص دوبارہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھنے کے بعد وہی جملہ دہرایا۔ اس واقعے کا اسی طرح تین بار تکرار ہوا۔ تیسری بار اس مرد نے کسی سے ایک کلہاڑی لی اور لکڑیاں کاٹنے کے لئے چلا گیا۔ وہ لکڑیاں کاٹ کر شہر لے آیا اور انہیں فروخت کر دیا۔ وہ اسی طرح کام کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے پاس کچھ مال جمع ہو گیا۔ اس نے لکڑیوں کے نقل و حمل کے لیے چوپائے اور لکڑیاں کاٹنے کے دوسرے آلات بھی خرید لیے اور اس کی زندگی سکون و اطمینان کے ساتھ گزرنے لگی۔ بعد میں وہ پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ سے اپنا پورا ماجرا نقل کیا۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ جو شخص ہم سے کوئی چیز مانگے ہم اسے عطا تو کریں گے لیکن اگر وہ قناعت سے کام لے تو خداوند عالم اسے بے نیاز کر دے گا۔

۲۔ایک شخص پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا: میں نے دو دن سے کچھ بھی نہیں کھایا ہے۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور بازار میں اپنی روزی تلاش کرو۔ وہ شخص دوسرے دن حاضر ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! کل رات میں گیا تھا لیکن مجھے کوئی چیز نہیں ملی اور میں کل رات بھی بھوکا ہی سو گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے پھر فرمایا: تم اپنی روزی بازار جا کر تلاش کرنا۔ اس نے جب تیسرے دن بھی آپ کا یہی جواب سنا تو بازار کی طرف روانہ ہو گیا ۔وہاں ایک تجارتی قافلہ پہنچا ہوا تھا۔ اس نے قافلے کا مال فروخت کرنے میں ان کی مدد کی۔ آخر میں ان لوگوں نے اپنے منافع میں سے اس کو بھی کچھ حصہ دے دیا۔ وہ شخص دوبارہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: کچھ نہیں ملا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیوں؟ تم کو تو وہ دے چکے ہیں۔ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: پھر تم نے کیوں غلط بیانی سے کام لیا؟ اس نے کہا: میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا آپ لوگوں کے اعمال سے مطلع ہیں؟ نیز اس طرح میں آپ سے کچھ لینا چاہتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: صحیح کہا ہے کہ جو شخص بے نیازی اختیار کرے گا، خداوند عالم اس کو بے نیاز کر دے گا اور جو شخص مانگنے کا دروازہ اپنے لئے کھولے گا خداوند عالم اس کے لئے فقر کے ستر دروازے کھول دے گا جو بند نہیں ہو سکتے۔ جو شخص بے نیاز ہو نیز

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۱۱۲ (عربی)۔

جو شخص اپنی طاقت اور اپنے اعضاو جوارح کے بل بوتے پر اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہو اس پر صدقہ حلال نہیں۔[1]

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۱۱۵۔

الفت و محبت

چونکہ اسلام الفت و محبت اور ایک دوسرے سے دوستی کا مذہب ہے نیز پیغمبر اکرم ﷺ اسی مذہب کے معلم ہیں اسلیے لوگوں کے ساتھ الفت و محبت اور شفقت و مہربانی آپ کے پورے وجود میں سمائی ہوئی تھیں۔اس الفت و محبت کا دائرہ اتنا وسیع تھا جس میں آپ کے گھر کے نزدیک ترین اعزا و اقربا کے علاوہ دوست، احباب، بچے، یہاں تک کہ بھولے بھٹکے مسافر اور اسیر سبھی داخل تھے۔یہ اس رحمت الٰہی کی شعاعوں کے سوا کچھ نہیں تھا جو آپ کے وجود اقدس پر ضو فشاں تھی: فَبِما رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُم [1]

"رحمت خدا کی بناپر آپ ان کے لئے مہربان ہو گئے ہیں۔"

کتب تاریخ و سیرت میں پیغمبر اکرم ﷺ کے بے پایان رحم و کرم کے جو نمونے ذکر ہوئے ہیں ان میں سے یہاں بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

ا۔ چھوٹوں اور خدمت گزاروں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا محبت آمیز برتاؤ آپ کی رحمدلی اور مہربانی کا ایک جلوہ ہے۔ انس بن مالک کا بیان ہے: میں نے دس سال تک پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت کی ہے مگر آپ نے اس پوری مدت میں مجھ سے ایک اف تک نہیں کہا اور نہ ہی کبھی مجھ سے یہ فرمایا کہ کون سا کام کیا ہے یا کون سا کام نہیں کیا ہے۔ پیغمبر ﷺ

ا۔آل عمران: آیت ۱۵۹۔

افطار میں کوئی نہ کوئی مشروب نوش فرماتے تھے۔اسی طرح سحری کے وقت بھی کوئی مشروب وغیرہ پی لیتے تھے۔ بعض اوقات تو افطار اور سحری میں صرف ایک ہی چیز نوش فرماتے تھے اور وہ چیز دودھ اور بعض اوقات پانی میں بھگوئی ہوئی روٹی ہوا کرتی تھی۔ایک رات میں نے آپ کے افطار کے لئے شربت تیار کیا تھا لیکن جب آپ کے آنے میں دیر ہوئی تو میں نے یہ سمجھا کہ آپ کسی صحابی کے گھر مہمان ہیں لہٰذا میں نے اسے پی لیا۔ کچھ دیر کے بعد جب رسول خدا ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ کے کسی صحابی سے پوچھا: کیا پیغمبر اکرم ﷺ نے افطار کر لیا ہے یعنی کسی نے آپ کی دعوت کی تھی؟ تو اس نے کہا: نہیں۔ مجھے اپنے فعل پر نہایت شرمندگی ہوئی۔ میں نے پوری رات بڑے کرب و بے چینی کے ساتھ گزاری جسے خدا ہی جانتا ہے، کیونکہ ہر لمحہ میرے ذہن میں یہ خیال آرہا تھا کہ آپ ابھی مجھ سے شربت طلب کریں گے اور آپ کو نہ مل سکے گا۔ بالآخر رات تمام ہوگئی اور صبح ہوگئی، مگر آپ نے اسی طرح روزہ رکھ لیا اور اس کے بعد بھی مجھ سے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور نہ کبھی اس کا کوئی تذکرہ کیا [1]۔

۲۔ پیغمبر اکرم ﷺ کو مومنین اور اپنی رسالت کے دلدادہ لوگوں سے ایک خاص قلبی لگاؤ تھا۔آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کی مسلسل مزاج پرسی کرتے رہتے تھے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ اگر ان میں سے کسی کو مسلسل تین دن تک نہیں دیکھتے تھے تو اس کا حال دریافت

۱۔ منتہی الآمال، ج۱، ص۱۸۔

کرتے تھے۔ اگر یہ جواب ملتا تھا کہ وہ کسی سفر پر گیا ہوا ہے تو آپ اس کے لئے دعا فرماتے تھے۔ اگر وہ موجود ہوتا تو اس سے ملاقات کرنے جاتے اور اگر مریض ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے تھے۔[۱]

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک جنگ میں سامہ بن اثال نامی شخص کو گرفتار کر کے آپ کے پاس لایا گیا۔ وہ اہل یمامہ کا سردار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ طی اور یمن والوں میں اس کی حکمرانی چلتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پہچان لیا اور یہ حکم دیا کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ہر روز اپنے گھر سے اس کے لئے کھانا بھیجتے تھے، اس کے پاس جاتے تھے اور اسے اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ایک دن آپ نے اس سے فرمایا: میں تمہیں ان تین کاموں میں سے ایک میں کے انتخاب کا اختیار دیتا ہوں۔

۱۔ یہ کہ تم کو قتل کر دوں۔ اس نے جواب دیا کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو یاد رکھیے کہ آپ ایک بڑے آدمی کے قاتل قرار پائیں گے۔

۲۔ تم اپنے بدلے میں کوئی مال فدیہ دے کر آزاد ہو جاؤ۔ اس نے کہا: اگر ایسا ہو گا تو جو مال میرے فدیہ کے بدلہ دیا جائے گا اس کی قیمت بہت زیادہ ہو گی یعنی میری قیمت بہت اونچی ہو گی اور میری قوم کو میری آزادی کے لئے بہت بڑی قیمت چکانا ہو گی کیونکہ میں ان کی نظر میں ایک بڑی شخصیت کا مالک ہوں۔

۱۔ سنن النبی، ص ۵۱۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیسرا راستہ یہ ہے کہ میں تمہارے اوپر احسان کر کے تمہیں آزاد کردوں۔ اس نے کہا: اگر آپ ایسا کریں تو مجھے اپنا شکر گزار پائیں گے۔ تب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو آزاد کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ ایمان لے آیا اور اس نے کہا: خدا کی قسم جس وقت میں نے آپ کو دیکھا تھا اسی وقت مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔ دنیا میں مجھ سے بڑا آپ کا کوئی دشمن نہیں تھا لیکن اس وقت آپ پوری دنیا میں میرے لئے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ [1]

۴۔ جب جنگ احد میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور آپ کا چہرہ زخمی ہو کر خون سے رنگین ہو گیا تو اصحاب کے لئے یہ مرحلہ بہت سخت تھا۔ انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کفار و مشرکین کے لئے بد دعا کریں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں بد دعا کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ میں پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ میں ان کے لئے یہ دعا کروں گا: خدایا میری قوم کی ہدایت فرما کیوں کہ وہ لوگ ابھی نادان اور ناسمجھ ہیں۔" [2]

۵۔ دشمن کے ساتھ جنگ اور تن بہ تن لڑائی سے پہلے اپنے سپاہیوں اور فوجی سپہ سالاروں کو جو نصیحت فرماتے تھے اس سے آپ کی پیار و محبت سے سرشار اور بلند روح کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی لشکر کو جنگی مہم پر بھیجتے تھے

۱۔ سیرت رسول اللہ، ج ۲، ص ۱۹۲۔

۲۔ المحجۃ البیضاء، ج ۲، ص ۱۲۹۔

توانہیں طلب فرما کر یہ فرماتے تھے: ''خدا کے نام سے سفر کا آغاز کرو، اسی سے استقامت طلب کرو، اللہ کے لئے جہاد کرو، مال غنیمت چوری نہ کرو، کفار کو مثلہ (ٹکڑے ٹکڑے) نہ کرو، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو، جو راہب غاروں میں یا اپنے معبدوں میں رہتے ہیں انہیں بھی قتل نہ کرو، درختوں کو جڑ سے نہ کاٹو مگر یہ کہ مجبور ہو جاؤ، باغات کو آگ نہ لگاؤ اور انہیں پانی میں غرق نہ کرو۔ مشرکوں کے کنوؤں میں زہر نہ ڈالنا، مکاری اور خیانت سے کام نہ لینا ،اگر کوئی مسلمان کسی مشرک کو پناہ دے دے تو وہ پناہ یافتہ ہے یہاں تک کہ خدا کا کلام سن لے۔ اس کے سامنے اسلام کو پیش کرو۔ اگر وہ اسے قبول کر لے تو وہ بھی تمہارا دینی بھائی ہے اور اگر قبول نہ کرے تو اسے امن کی جگہ تک پہنچا دینا۔ [1]

۶۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف و کرم اور رحمت کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ آپ پرندوں کا شکار بھی نہیں فرماتے تھے، البتہ اگر کسی پرندے کا شکار کیا جاتا تو اس کا گوشت کھا لیتے تھے لیکن خود شکار نہیں کرتے تھے۔ نقل کیا گیا ہے کہ رسول خدا پرندوں کا گوشت کھا لیتے تھے لیکن خود کسی چیز کا شکار نہیں کرتے تھے بلکہ آپ چاہتے تھے کہ دوسرے شکار کر کے آپ کے پاس لے آئیں۔ [2]

۱۔ بحار الانوار، ج۱۹، ص۱۷۷۔

۲۔ احیاء العلوم، ج۲، ص۳۶۹۔

منفی زہد کی مخالفت

منفی زہد سے مراد یہ ہے کہ انسان ایسی روش اختیار کرے جو عام مسلمانوں کی سیرت اور ان کے رہن سہن کے بالکل بر خلاف ہو مثلاً خدا کی نعمتوں سے پرہیز کرے، ایک دوسرے کے ساتھ آمد و رفت اور نشست و برخاست میں توازن سے خارج ہو جائے، اپنے آپ کو خشک تقدس کا خوگر بنالے، کسی سے بات نہ کرے، اپنے چاروں طرف ایک ایسا حصار کھینچ لے گویا دنیا میں اس کے علاوہ اور کوئی رہتا ہی نہ ہو۔ بعض صوفیوں کے یہاں یہ صورتحال واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلامیہ ایک مکمل اور جامع شریعت ہے جس کے تمام اصول انسانی جبلت اور فطری خواہشات کے عین مطابق بنائے گئے ہیں۔ لہٰذا جو فکر یا عمل ان اصولوں کے منافی ہو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ اس نام نہاد زہد کے ذریعے عرفان و کمال کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں انہیں یہ جان لینا چاہئے کہ وہ زبردست دھوکے میں ہیں۔ دنیا نے جس عظیم ترین شخصیت کو دیکھا ہے وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ کبھی بھی مذکورہ روش کو اختیار نہیں کیا بلکہ شد و مد کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں اسلام اور معصومینؑ نے ہمیں جن چیزوں سے بچنے کی ہمیشہ تاکید کی ہے ان میں سے دو چیزیں یہاں بیان کی جارہی ہیں:

۱۔ دنیا اور مادی امور کی محبت اور ان سے دل لگانا۔

۲۔ دنیوی لذتوں اور شہوتوں میں خود کو غرق کر دینا۔

لیکن پاک و پاکیزہ نیت کے ساتھ اور ہر طرح کی تجمل پرستی سے دور رہ کر خداوند عالم کی نعمتوں سے معقول استفادہ کرنا پیغمبر اکرم ﷺ اور تمام معصومینؑ کی سیرت تھی۔ آنحضرتؐ نے منفی زہد اور فطری خواہشات کی تسکین سے لاپرواہی برتنے کی روش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے چنانچہ:

۱۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"ان جماعة من الصحابة كانوا حرّموا على انفسهم النساء والافطار بالنهار والنوم بالليل فاخبرت ام سلمة رسول الله فخرج الى اصحابه فقال: اترغبون عن النساء فانى آتى النساء وآكل بالنهار و انام بالليل فمن رغب عن سنتى فليس منى"

پیغمبر ﷺ کے کچھ اصحاب نے اپنی بیویوں کے ساتھ مقاربت کرنے، دن کے وقت کھانے اور رات کے وقت سونے کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔ جناب ام سلمہؓ نے اس کی اطلاع رسول خدا ﷺ کو دی تو آپ نے اصحاب کے درمیان تشریف لا کر ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ اپنی بیویوں

سے اجتناب برتتے ہو جب کہ میں اپنی ازواج کے ساتھ مقاربت کرتا ہوں، دن میں کھاتا ہوں اور رات میں سوتا ہوں۔ پس جو شخص میری سنت سے منہ پھیر لے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

۲۔ تین عورتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ ایک نے کہا: یا رسول اللہ! میرے شوہر نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ زندگی نہیں گزارے گا۔ دوسری نے کہا: یا رسول اللہ! میرے شوہر نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا۔ تیسری نے کہا: یا رسول اللہ! میرے شوہر نے یہ طے کیا ہے کہ اب وہ خوشبو کا استعمال نہیں کرے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خبر سن کر بے حد ناراض ہوئے کیونکہ آپ کو محسوس ہوا کہ مسلمانوں کے درمیان کج فکری اور انحراف کا راستہ کھل گیا ہے لہٰذا آپ وقت سے پہلے ہی مسجد میں تشریف لائے۔ آتے وقت آپ اتنی جلدی میں تھے کہ آپ کی عبا کا ایک گوشہ زمین پر گھسٹتا جا رہا تھا یعنی عبا کا ایک گوشہ آپ کے کاندھے پر تھا اور دوسرا گوشہ زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام لوگوں کو جمع کیا جائے۔ لوگ مسجد میں آ گئے۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ نے کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا: میں نے سنا ہے کہ میرے اصحاب کے درمیان ایک کج فکری پیدا ہو رہی ہے۔ یہ کتنا غلط طریقہ ہے جو مسلمانوں کے درمیان ظاہر ہو رہا ہے؟ میں پیغمبر خدا ہوں۔ اس کے باوجود گوشت کھاتا ہوں، اچھے کھانوں

۱۔ دعائم الاسلام، ج ۲، ص ۱۹۱، جامع الاخبار، ص ۱۱۸۔

سے استفادہ کرتا ہوں، کپڑے پہنتا ہوں، عطر کا استعمال کرتا ہوں اور اپنی ازواج کے ساتھ رہتا ہوں۔ پس جس کی راہ و روش میری راہ و روش اور سنت کے مطابق نہ ہو وہ مجھ سے نہیں ہے۔[1]

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۴۷۔

مثبت اقدار کی تکریم

انسانی اور اخلاقی اقدار مثلاً عزت نفس، خودی، سچائی، عفو و درگذشت، عدل و انصاف، ہمدردی، انسانیت کی خدمت، استقامت اور ثابت قدمی وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کی عظمت و قداست کے تمام انسان قائل ہیں اور ہر مذہب و مسلک میں ان کی تعریف کی جاتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کی اقدار کو زندہ کرنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کرتے تھے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مکتب و مذہب کی روح ہی انسانیت کا احترام ہو اور جس پیغمبر کی بعثت کا مقصد ہی عالم انسانیت کو اعلیٰ اقدار اور اخلاقی بلندیوں کی طرف لے جانا ہو وہ پیغمبر خود ان امور کے سلسلے میں بے توجہی برتے ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جن میں آپ نے معنوی اقدار کے احیاء اور ان کی تعظیم پر خاص توجہ دی ہے مثلاً:

۱۔ علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب قبیلہ طے کے اسیروں کو لایا گیا تو ان اسیروں میں سے ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا: آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیئے کہ مجھے پریشان نہ کریں اور میرے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے کیونکہ میں اپنے قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں ۔میرا باپ ایک ایسا انسان تھا جو عہد و پیمان کو نبھاتا تھا، اسیروں کو آزاد اور بھوکوں کو سیر کرتا تھا، بلند آواز سے سلام کرتا تھا اور کبھی کسی محتاج کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا تھا

۔میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے جن صفات کا تذکرہ کیا ہے یہ حقیقی مومن کی صفات اور علامتیں ہیں۔اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو میں اس کے لئے دعائے رحمت کرتا۔آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور کوئی اسے پریشان نہ کرے کیونکہ اس کا باپ اخلاقی اقدار کو دوست رکھتا تھا اور خداوند عالم بھی مکارم اخلاق کو دوست رکھتا ہے۔ [1]

۲۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس کچھ اسیروں کو لایا گیا۔آپ نے ایک شخص کے علاوہ تمام لوگوں کے قتل کا حکم صادر کیا۔اس نے کہا: آپ نے ان تمام لوگوں میں سے صرف مجھے ہی کیوں آزاد کیا؟ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جبرئیل نے خداوند عالم کی طرف سے مجھے یہ خبر دی ہے کہ تیرے اندر یہ پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں جنہیں خدا اور اس کا رسول دوست رکھتے ہیں: ۱۔اہل خانہ اور محارم کے معاملے میں شدید غیرت ۲۔جود و سخا ۳۔حسن اخلاق ۴۔صداقت ۵۔شجاعت۔ [2]

قرآن کریم کی نظر میں انسان کی قدر و قیمت اور فضیلت کا معیار مال و دولت، رنگ و نسل یا زبان اور قومیت نہیں ہیں بلکہ تقویٰ، جہاد، شہادت، راہ خدا میں جدوجہد، ہجرت، پاکیزگی، طہارت اور معرفت ہی اصل معیار ہیں۔پیغمبر اکرم ﷺ امت اسلامیہ کے لئے نمونۂ عمل ہونے کے ناطے

۱۔ محجۃ البیضاء، ج ۴، ص ۱۲۲۔(۲)۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۱۰۸۔

جب ان فضائل کے حامل افراد سے ملتے تھے تو انہیں عزت دیتے تھے۔ جو لوگ ایمان، ہجرت اور جہاد وغیرہ میں دوسروں پر سبقت رکھتے تھے آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں ان کا ایک خاص احترام تھا بطور مثال:

۱۔ جب جناب جعفر بن ابو طالبؑ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے جا رہے تھے تو پیغمبر ﷺ انہیں رخصت کرنے کے لئے آئے۔ آپ نے ان کے لئے دعا کی اور جب چند سالوں کے بعد وہ واپس پلٹے تو پھر اپنی جگہ سے اٹھے، ان کے استقبال کے لیے گئے اور ان کا بوسہ لیا۔ چونکہ وہ فتح خیبر کے فوراً بعد ہی واپس آئے تھے اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ میں جنگ خیبر کی فتح پر زیادہ خوشی مناؤں یا جعفر کی آمد پر۔[۱]

۲۔ ۸ھ میں غزوۂ ذات السلاسل کے بعد حضرت علیؑ مجاہدین اسلام کے ساتھ مدینہ کی طرف فاتحانہ انداز میں روانہ ہوئے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ آپ انہیں لے کر مدینہ سے تین میل باہر تشریف لائے۔ حضرت علی پیغمبر ﷺ کو دیکھتے ہی اپنی سواری سے اتر آئے۔ آنحضرت ﷺ بھی ان کے اعزاز میں سواری سے اترے۔ آپ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا: اے علی! اس خدا کا شکر

۱۔ مکارم الاخلاق، ص ۲۴۹۔

جس نے تمہارے ذریعے میری مشکل کو آسان کر دیا اور مجھے اپنے دشمنوں کے مقابلے میں تقویت بخشی۔[۱]

۳۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہونے والی سب سے پہلی جنگ کا نام جنگ بدر ہے۔ جو لوگ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے تھے وہ آنحضرت اور صدر اسلام کے مسلمانوں کے درمیان ایک خاص مرتبے کے حامل تھے۔

ایک بار پیغمبر اکرم ﷺ جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھے تھے۔ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کے اندر بالکل جگہ نہیں تھی۔ اس وقت کچھ اہل بدر جن میں ثابت بن قیس بھی تھے وہاں پہنچے اور پیغمبر کے سامنے کھڑے ہوگئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے مجمع کو دیکھنے لگے۔ کوئی شخص بھی ان کے لئے کھڑا نہیں ہوا اور نہ ہی کسی نے ان کے لئے جگہ بنائی۔ آنحضرت ﷺ کو یہ طریقہ بہت ناگوار گزرا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے چند مہاجرین وانصار سے (جن کا تعلق اہل بدر سے نہیں تھا) فرمایا: فلاں فلاں لوگ اٹھ جائیں۔ اس طرح آپ نے اہل بدر کی تعداد کے برابر حاضرین میں سے غیر بدری اصحاب کو اٹھا دیا اور ان کی جگہ اہل بدر کو بٹھا دیا۔ جن لوگوں کو رسول خدا ﷺ نے ان کی جگہ سے اٹھایا تھا انہیں یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اس ناگواری کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے۔ کچھ منافقین اور دوسرے موقع پرستوں نے فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے مسلمانوں پر جملے کسنا شروع کر دیے۔

۱۔ ناسخ التواریخ، ج ۲، ص ۳۵۷۔

بولے: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے پیغمبر ﷺ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا سلوک کرتے ہیں؟ اگر یہی بات ہے تو اس موقع پر آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا کیونکہ جن لوگوں نے پہلے آکر اپنے لئے جگہ لے رکھی تھی وہ پیغمبر کے نزدیک بیٹھنا چاہتے تھے۔ آپ نے ان کو سب کے سامنے اٹھادیا اور جو لوگ تاخیر سے آئے تھے انہیں ان کی جگہ بٹھادیا۔ [۱]

پیغمبر اکرم ﷺ کی جانب سے بدری اصحاب کا خاص احترام معاشرے میں جہاد اور دیگر اعلی اقدار کی تکریم میں سبقت کرنے والوں کے بلند مقام کی نشاندہی کرتا ہے چنانچہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس نے پیغمبر اکرم ﷺ کے اس عمل کی تائید کی:

﴿يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا إِذا قيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا في الْمَجالسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللهُ لَكُمْ وَ إِذا قيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا﴾ [۲]

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کر دیا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب تم سے کہا جائے: اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو اللہ بلند فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۲۴۔

۲۔ مجادلہ: آیت ۱۱۔

۴۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی جانب سے اقدار پر توجہ کا ایک اور نمونہ شہیدوں اور شہداء کے گھرانوں کی عزت و توقیر بھی ہے۔ ۸ ھ میں جناب جعفر بن ابی طالبؑ کی سربراہی میں اسلامی لشکر نے دشمن کے ساتھ ایک زبردست جنگ لڑی۔ اس معرکے میں جناب جعفرؑ کے دونوں ہاتھ کٹنے کے علاوہ ان کے بدن پر بھی بہت گہرے زخم آئے جس کی بنا پر آپ شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بلند مقام و مرتبے کی توصیف میں یہ فرمایا:

ان اللہ ابدل جعفرا بیدیہ جناحین یطیر بھما فی الجنۃ حیث شاء خداوند عالم نے جعفر کے کٹے ہوئے دونوں ہاتھوں کے بدلے انہیں دو پر عطا کیے ہیں جن کے ذریعے وہ بہشت میں جہاں پرواز کرنا چاہیں پرواز کرتے ہیں۔

جب جنگ کے بعد اسلامی فوج مدینہ واپس آئی تو رسول خدا ﷺ مسلمانوں کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گئے۔ ہمراہ کچھ بچے بھی تھے جو ترانے اور اشعار پڑھ رہے تھے۔ رسول خدا ﷺ ایک مرکب پر سوار تھے۔ آپ نے فرمایا: بچوں کو بھی سوار کر لو اور جعفر کا بیٹا میرے حوالے کر دو۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن جعفر کو جن کے باپ شہید ہو چکے تھے اپنی سواری پر اپنے آگے سوار کیا۔ جناب عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ تمہارے بابا فرشتوں کے ساتھ آسمان میں پرواز کر رہے ہیں۔[۱]

۱۔ سیرۂ حلبیہ، ج ۳، ص ۹ و ۶۸۔

خرافات کا مقابلہ

اسلام علم و آگہی اور معرفت کا دین ہے۔ حقیقت بینی اس کا جوہر ہے۔ اسی بنا پر وہ حقیقت سے دور اوہام و خرافات سے کبھی بھی ہماہنگ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ ان کی ترویج کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کے سامنے خاموشی کو صحیح قرار دے سکتا ہے۔ اسلام ایسے مذہب کی اصل بنیاد ہی باطل افکار و عقائد اور حقیقت سے دور افکار و خیالات سے مقابلہ کرنے پر استوار ہے۔

پیغمبر عظیم الشان کے کاندھوں پر عظیم شریعت الٰہیہ کی تبلیغ کی ذمہ داری تھی۔ آپ لوگوں کے اندر علم و معرفت اور انہیں اشیاء کی حقیقت تک پہنچانے کے لئے نہایت درجہ محنت کیا کرتے تھے اور انہیں ہمیشہ خیالی اور وہمی چیزوں سے دور رہنے کی شدید تلقین کرتے تھے۔ بت پرستی اور نظام ہستی کو چلانے کے معاملے میں بتوں کے کردار جیسی بے ہودہ فکر کے ساتھ مقابلہ کرنا اس الٰہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے باطل افکار کی مخالفت کی عکاسی کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے سرزمین حجاز پر اوہام و خرافات کا راج تھا۔ لوگوں کے اذہان بالکل تاریک ہو چکے تھے لیکن جیسے ہی اسلام کا سورج طلوع ہوا ان کے اچھے خاصے اوہام و خرافات خود بخود ختم ہو گئے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی پابندی ان خرافات سے میل نہیں کھاتی تھی۔ جو چیزیں باقی رہ گئیں وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زحمتوں کی وجہ سے لوگوں کے ذہن و خیال سے پاک ہوتی جا رہی تھیں۔

اس مقام پر مناسب ہے کہ ایک واقعہ نقل کیا جائے جو ہماری کتب احادیث میں مذکور ہے۔اہل سنت نے بھی اسے نقل کیا ہے جس سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ توہمات و خرافات کا مقابلہ کے معاملے میں پیغمبر ﷺ کس حد تک حساس تھے۔آپ کو جناب ماریہ قبطیہ کے بطن سے خداوند عالم نے ایک بیٹا عنایت فرمایا تھا جن کا نام ابراہیم تھا۔ آنحضرت ﷺ اپنے اس بیٹے سے بے حد محبت کرتے تھے مگر ۱۸ ماہ کی مختصر عمر میں آپ کے اس فرزند کا انتقال ہوگیا۔رسول اکرم ﷺ جو لطف و محبت کا پیکر تھے۔چنانچہ آپ نے گریہ کیا اور فرمایا: دل، آتش غم سے سلگ رہا ہے اور آنکھوں سے اشک جاری ہے۔اے ابراہیم ! ہم تمہاری جدائی پر غمگیں ہیں لیکن میں خدا کی مرضی کے برخلاف کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔آنحضرت ﷺ کے دل پر غم واندوہ کے جو بادل چھائے ہوئے تھے ان کی وجہ سے تمام مسلمان بھی بے حد غمگیں تھے۔اتفاق سے اسی دن سورج کو گہن لگ گیا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ آسمان بھی رسول خدا ﷺ کے غم میں شریک ہے۔یہ بات مدینہ میں لوگوں کے درمیان جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ہر مرد و زن کی زبان پر یہی تھا کہ پیغمبر ﷺ کے صدمے کی وجہ سے سورج کو گہن لگا ہے۔اگرچہ اس اتفاق کی بدولت آنحضرت ﷺ کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ و ایمان مزید مستحکم ہورہا تھا اور لوگ اس طرح کے مسائل کے بارے میں اس سے زیادہ سوچتے بھی نہیں ہیں لیکن آنحضرت ﷺ لوگوں کی کمزوری، جہالت اور نادانی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔اسی بناپر آپ منبر پر تشریف لے گئے

اور فرمانے لگے: سورج کو جو گہن لگا ہے وہ میرے بیٹے کی وجہ سے نہیں۔ سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں خداوند عالم کی نشانیاں ہیں۔[۱]

۱۔ سیری در سیرہ نبوی، ص۱۳۶۔

دعااور استمداد

خداوند عالم سے دعا مانگنے اور مدد طلب کرنے کو احادیث میں "مؤمن کا اسلحہ" یا "عبادت کی حقیقت" کہا گیا ہے۔ دعا مشکلات و مصائب پر غلبہ پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دعا کی بدولت دعا کرنے والے کے عزم و حوصلے میں اضافہ ہوتا ہے، دل میں امید کی کرن باقی رہتی ہے، انسان کائنات کے خالق سے رابطہ پیدا کرتا ہے اور اسی کے سہارے منزل کمال کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ تمام کاموں میں دعا و مناجات اور خدا سے مدد طلب کرنے کا خوب اہتمام فرماتے تھے اور ایک مخصوص انداز سے خداوند عالم سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔

كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا ابْتَهَلَ وَ دَعَا كَمَا يَسْتَطْعِمُ الْمِسْكِينُ.[1]

"دعا و مناجات کے وقت آپ اس طرح ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے جیسے کوئی فقیر اور مسکین دست سوال دراز کرتا ہے۔"

اس حصے میں آنحضرت ﷺ کی چند دعاؤں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جنہیں پڑھ کر ہر ایک فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

۱۔ سنن النبی، ص ۳۱۵۔

۱۔جب آپ اذان کی آواز سنتے تھے تو اس کے تمام کلمات کو دہراتے تھے اور جب اذان ختم ہو جاتی تھی تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَ الصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ أَعْطِ مُحَمَّداً سُؤْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ بَلِّغْهُ الدَّرَجَةَ الْوَسِيلَةَ مِنَ الْجَنَّةِ وَ تَقَبَّلْ شَفَاعَتَهُ فِي أُمَّتِه.[۱]

اے وہ پروردگار جو اس مکمل دعوت اور قائم شدہ نماز کا رب ہے! روز قیامت (حضرت) محمد کی تمام حاجتوں کو پوری فرما اور انہیں وسیلۂ جنت بننے کا درجہ عنایت فرما اور ان کی امت کے بارے میں ان کی شفاعت کو قبول فرما۔

۲۔رات کو اپنا رخسار مٹی کے اوپر رکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے:

اللَّهُمَّ وَ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ أَبَداً

بارالٰہا! مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی ہرگز میرے حال پر نہ چھوڑنا۔[۲]

۳۔جب دستر خوان پر تشریف لاتے تھے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ دعا ہوتی تھی:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ مَا أَحْسَنَ مَا تَبْتَلِينَا سُبْحَانَكَ مَا أَكْثَرَ مَا تُعْطِينَا سُبْحَانَكَ مَا أَكْثَرَ مَا تُعَافِينَا اللَّهُمَّ أَوْسِعْ عَلَيْنَا وَ عَلَى فُقَرَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِينَ وَ الْمُسْلِمَاتِ.[۱]

۱۔ دعائم الاسلام، ج۱، ص۱۴۶۔

۲۔ بحار الانوار، ج۱۶، ص۲۱۸۔

اے اللہ! پاک و پاکیزہ ہے تیری ذات، تونے ہمیں کس حسین انداز سے آزمایا ہے! پاک و پاکیزہ ہے تو، ہمیں تونے کس قدر بخششوں سے نوازا ہے! تیری ذات پاک و پاکیزہ ہے، تونے ہمارے کتنے زیادہ گناہوں کو معاف فرمادیا ہے! پروردگارا! ہمارے اور تمام فقیر مومنین اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے رزق میں وسعت عطا فرما۔

۴۔ سوتے وقت خدا سے اس انداز میں مدد طلب کرتے تھے:

بِسْمِ اللهِ أَمُوتُ وَ أَحْيَا وَ إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ اللَّهُمَّ آمِنْ رَوْعَتِي وَ اسْتُرْ عَوْرَتِي وَ أَدِّ عَنِّي أَمَانَتِي.[۲]

خدا کے نام سے مجھے موت آتی ہے اور زندہ ہوتا ہوں اور اسی کی طرف واپسی ہے۔ اے اللہ! میرے خوف کو امن و امان میں تبدیل کردے، میرے عیوب کو پوشیدہ رکھ اور تونے مجھے جو امانت عطا فرمائی ہے اسے خود ہی ادا فرما۔

۵۔ ہر مہینے کا چاند دیکھنے کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا پڑھتے تھے:

اللَّهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَ الْإِيمَانِ وَ السَّلَامَةِ وَ الْإِسْلَامِ.[۳]

پروردگارا! اس ماہ کے چاند کو ہمارے لئے امن و امان، ایمان، سلامتی اور اسلام کا چاند قرار دے۔

۱۔ سنن النبی، ص ۳۲۳۔
۲۔ سنن النبی، ص ۳۲۳۔
۳۔ امالی، ج ۲، ص ۱۰۹۔

۶۔ نئے سال کے آغاز پر یہ دعا فرماتے تھے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ الْإِلَهُ الْقَدِيمُ وَ هَذِهِ سَنَةٌ جَدِيدَةٌ فَأَسْأَلُكَ فِيهَا الْعِصْمَةَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَ الْقُوَّةَ عَلَى هَذِهِ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ بِالسُّوْءِ وَ الاشْتِغَالَ بِمَا يُقَرِّبُنِي إِلَيْكَ يَا كَرِيمُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْإِكْرَامِ يَا عِمَادَ مَنْ لَا عِمَادَ لَهُ يَا ذَخِيرَةَ مَنْ لَا ذَخِيرَةَ لَهُ يَا حِرْزَ مَنْ لَا حِرْزَ لَهُ يَا غِيَاثَ مَنْ لَا غِيَاثَ لَه.... [1]

اے اللہ! تو خدائے قدیم ہے اور یہ جدید سال ہے۔ پس میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اس میں شیطان سے محفوظ رکھے، برائیوں پر اکسانے والے نفس پر قابو عطا فرمائے اور مجھے اس چیز میں مصروف رکھے جو مجھے تجھ سے قریب کر دے۔ اے کریم! اے جلالت و کرم کے مالک! اے اس کا پشت پناہ جس کا کوئی پشت پناہ نہ ہو! اے اس کا سرمایہ جس کا کوئی سرمایہ نہ ہو! اے اس کا نگہبان جس کا کوئی نگہبان نہ ہو! اے اس کا فریادرس جس کا کوئی فریادرس نہ ہو!

۱۔ سنن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۲۳۹۔

دوسروں کے حقوق کی رعایت

پیغمبر اکرم ﷺ عدل وانصاف کے نفاذ کا مظہر تھے۔ خداوند عالم نے آپ کو عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ دوسروں کے حقوق اور بیت المال (اسلامی خزانے) کی حفاظت پر خصوصی توجہ دیتے تھے جس کا مشاہدہ آپ کی سماجی زندگی میں جگہ جگہ کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ایک یہودی کے کچھ دینار پیغمبر اکرم ﷺ کے ذمے باقی تھے۔ ایک دن اس نے آپ سے اپنی رقم کا مطالبہ کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرے پاس فی الحال نہیں ہیں لیکن وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں یہیں بیٹھ جاتا ہوں۔ وہ یہودی بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا یہاں تک کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے علاوہ صبح کی نماز بھی وہیں ہوگئی۔ آپ کے اصحاب نے اس یہودی کو ڈرایا دھمکایا لیکن آپ نے انہیں یہ کہہ کر منع کر دیا کہ خدا نے مجھے ذمیوں یا دوسروں پر ستم کرنے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا ہے۔ جب صبح ہوگئی اور سورج کچھ بلند ہو گیا تو اچانک وہ یہودی کہنے لگا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنا آدھا مال راہ خدا میں دے دیا اور کہنے لگا: میں تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تورات میں آخری زمانے کے پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں (یعنی یہ کہ وہ مکہ میں پیدا ہوگا، مدینہ کی طرف ہجرت کرے گا، بد

اخلاقی اور بدزبانی سے منزہ ہوگا، بلند آواز سے بات نہیں کرے گا، گالی نہیں دے گا) وہ آپ کے اندر موجود ہیں یا نہیں؟

اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ تمام صفات آپ کے اندر موجود ہیں لہٰذا اب میں اپنا آدھا مال آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔[۱]

۲۔امت مسلمہ کا حاکم ہونے کے ناطے اسلامی خزانے کی حفاظت کی اہم ذمہ داری بھی رسول اکرم ﷺ کے کاندھوں پر ہی تھی۔اس سلسلے میں لوگوں کے ساتھ آپ کا ہر برتاؤ سبق آموز ہے۔۹ھ میں "ابن اللّیثیہ" نامی شخص کو رسول اکرم ﷺ کی طرف سے کسی قبیلے کی جانب زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ وہ جب زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو اس نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آکر کہا: یہ زکوٰۃ کا مال ہے اور یہ تحفے تحائف مجھے دیے گئے ہیں۔ رسالتمآب ﷺ یہ سن کر منبر پر تشریف لے گئے اور یہ ارشاد فرمایا: کچھ لوگوں کو میں نے اُس کام کے لئے بھیجا تھا جس کا سرپرست خدا نے مجھے بنایا ہے لیکن ایک آکر کہتا ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے۔ تم اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہیں بیٹھ جاتے تاکہ تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارے لئے کوئی شخص تحفہ نہیں لاتا؟ (ظاہراً یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ زکوٰۃ جمع کرنے والے کو ہی تحفہ دینا کسی غرض کے تحت ہے تاکہ وہ انہیں زکوٰۃ میں چھوٹ دے) اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! جو شخص بھی زکوٰۃ سے کوئی چیز (ناحق) لے گا وہ

۱۔ حیات القلوب، ج ۲، ص ۱۱۷۔

قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا۔ اگر وہ اونٹ غصب کرے تو اونٹ اور اگر گائے یا بھیڑ ہتھیا لے تو اسے گائے یا بھیڑ ہی اٹھانا پڑے گا۔ اس کے بعد آپ نے دو مرتبہ فرمایا: خدایا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔[1]

دوسروں کے حقوق کی حفاظت کی عکاسی آپ کی امانتداری سے بھی ہوتی ہے۔ مجمع عام ہو یا تنہائی کا عالم، مال وزر ہو یا کوئی دوسری چیز، کسی بھی میدان میں آپ کے یہاں ذرہ برابر خیانت کا شائبہ نہیں ملتا۔ دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں آپ اس درجہ محتاط تھے کہ اپنی جوانی میں ہی "محمد امین" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کو یہ قابل فخر لقب مکہ والوں نے ہی دیا تھا۔ وہ لوگ آپ کو جہاں کہیں دیکھتے تھے یہ کہتے تھے: دیکھو "محمد امین" آرہے ہیں۔

۱۔ ناسخ التواریخ، ج ۲، ص ۱۵۹۔

لوگوں کی مشکل کشائی اور غمخواری

پیغمبر اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان انہیں میں سے خدا کے بھیجے ہوئے رسول تھے۔ آپ نے اپنے آپ کو کبھی بھی امت سے جدا نہیں سمجھا۔ اور ایسا ہر گز نہیں ہوا کہ آپ اپنے چاہنے والوں اور ماننے والوں کو مشکلات کے حوالے کر دیں اور خود آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ آپ ﷺ ہمیشہ اور ہر مرحلے میں لوگوں کی مدد کے لئے سب سے آگے ہوتے تھے۔ خوشی اور غم میں لوگوں کے برابر کے شریک ہوتے تھے اور اس سلسلے میں مشکلات برداشت کرتے تھے۔ یہاں ہم لوگوں کی مشکلات میں آپ کی شرکت کے چند نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

امام علیؑ فرماتے ہیں: جنگ خندق سے پہلے خندق کھودتے وقت میں پیغمبر اکرم کے ساتھ تھا۔ فاطمہ آپ کے لئے کچھ روٹیاں لے آئیں۔ رسول خدا نے فرمایا: اے بیٹی یہ کیا ہے؟ فاطمہ نے عرض کی: یہ وہ روٹیاں ہیں جو میں نے حسن و حسین کے لئے بنائی تھیں۔ اس میں سے کچھ آپ کے لئے لے کر آئی ہوں۔ جناب رسالتمآب نے فرمایا: اے بیٹی، تین دن ہوئے ہیں کہ تمہارے بابا نے کوئی کھانا نہیں کھایا ہے اور یہ پہلا کھانا ہے جسے میں کھا رہا ہوں۔[1]

۱۔ حیات القلوب، ج ۲، ص ۱۱۷۔

مختلف قبیلے رسول خداﷺ کی جدید اور نوخیز حکومت کو نیست و نابود کرنے کے لئے مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ پیغمبر اکرمﷺ کو جب دشمن کے ارادوں کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے بارے میں ان سے مشورہ فرمایا۔ جناب سلمان فارسی کی رائے اور پیغمبرﷺ کی تائید کی بناپر یہ طے ہوا کہ مدینہ کے گرد ایک گہری خندق کھودی جائے تاکہ دشمن شہر کے اندر داخل نہ ہو سکیں۔

پیغمبر اکرمﷺ نے ہر بیس سے تیس قدم کے فاصلے پر مہاجرین و انصار کے ایک گروہ کو مقرر کیا۔ خود آپ نے بھی کدال اٹھالی اور مہاجرین کے حصے میں خندق کھودنا شروع کیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کھدی ہوئی مٹی خندق سے باہر نکال رہے تھے۔ پیغمبر اکرمﷺ کو کام کی شدت اور زیادہ محنت و مشقت کی وجہ سے پسینہ آگیا۔ آپ بہت تھک گئے۔ آپ نے فرمایا: آخرت کے آرام و آسائش کے علاوہ کوئی آرام نہیں ہے۔ خدایا! انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

جابر بن عبداللہ انصاری بیان فرماتے ہیں: جب ہم خندق کھود رہے تھے تو ایک بہت بڑا پتھر بیچ میں حائل ہو گیا۔ ہم نے کہا: یارسول اللہﷺ! ہم لوگ بہت مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ اس کے لئے ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: تھوڑا پانی لے کر آؤ۔ پھر آپ نے فرمایا: اس پتھر کے اوپر تھوڑا پانی ڈال دو۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ اگرچہ بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ نے اپنے شکم پر

ایک پتھر باندھ رکھا تھا اس کے باوجود آپ نے کدال اٹھائی، تین بار خدا کا نام لیا اور پتھر پر زور سے کدال ماری جس سے وہ پتھر کنکریوں کی طرح بکھر گیا۔ [۱]

۳۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر بیماری پر تھے تو آپ نے بلال سے فرمایا: لوگوں کو بلاؤ۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر جا کر یہ ارشاد فرمایا: اے میرے اصحاب! میں تمہارے درمیان کیسا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا؟ کیا میں نے تمہارے ہمراہ جہاد نہیں کیا؟ کیا میرے دانت نہیں ٹوٹے؟ کیا میرا چہرہ غبار آلود نہیں ہوا؟ کیا میرے چہرے کے خون سے میری داڑھی رنگین نہیں ہوئی؟ کیا میں نے بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر نہیں باندھے؟ اصحاب نے کہا: جی ہاں، یا رسول اللہ! آپ یقیناً صابر تھے اور امتحان الٰہی کے موقع پر ہمیں برے کاموں سے روکتے تھے۔ خداوند عالم آپ کو بہترین جزائے خیر دے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند عالم تمہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ [۲]

۱۔ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۱۲۱۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۲، ص ۵۰۸۔

سخاوت اور جود و کرم

جود و سخا سے انسان کے ایثار کی بخوبی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ وہ مقدس خصلت ہے جو تمام قوموں کے نزدیک پسندیدہ اور بیش قیمت صفت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانی فضائل کا سرچشمہ تھے اور آپ اس صفت کے بھی اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

أَنَا أَدِيبُ اللهِ وَ عَلِيٌّ أَدِيبِي أَمَرَنِي رَبِّي بِالسَّخَاءِ وَ الْبِرِّ وَ نَهَانِي عَنِ الْبُخْلِ وَ الْجَفَاءِ وَ مَا شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنَ الْبُخْلِ وَ سُوءِ الْخُلُقِ [1]

میں خداوند عالم کا تربیت شدہ ہوں اور علیؑ میرے تربیت شدہ ہیں۔ میرے رب نے مجھے سخاوت اور نیکی کا حکم دیا ہے نیز کنجوسی اور ظلم و جور سے منع فرمایا ہے۔ خداوند عالم کے نزدیک بخل اور بد اخلاقی سے بری اور ناپسندیدہ چیز کوئی نہیں ہے۔

جنگ حنین سے واپسی کے موقع پر خانہ بدوش عرب مال غنیمت میں اپنا حصہ پانے کے لئے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اسی بھیڑ میں لوگوں نے آپ کی عبا بھی غائب کر دی۔ آپ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

ردوا علی ردائی، اتخشون علی البخل؟ فلو کان لی عدد هذه العضاة ذهباً لقسمته بینکم، لاتجدونی بخیلاً [1]

۱۔ مکارم الاخلاق، ص ۱۷۔

میری عبا مجھے واپس پلٹا دو۔ کیا تمہیں مجھ سے بخل کا خطرہ ہے ؟ اگر میرے پاس ان کانٹے دار جھاڑیوں کی تعداد کے برابر بھی سونا ہوتا تو میں سب تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے ہر گز بخیل نہیں پاؤ گے۔

اس مقام پر ہم پیغمبر ﷺ کی بخشش و عطا کے چند نمونے پیش کر کے اس باب کو مزید مزین کر رہے ہیں۔

۱۔ ایک روز کچھ برہنہ افراد پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے لباس مانگنے لگے۔ آپ نے کبھی کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ واپس نہیں کیا تھا۔ چنانچہ آپ اپنے گھر گئے لیکن آپ کو کوئی لباس نظر نہیں آیا۔ صرف ایک پردہ دکھائی دیا جسے جناب فاطمہ علیہا السلام نے کسی چیز کے اوپر ڈھانک رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ ! کیا تم یہ پسند کرو گی کہ یہ پردہ تمہیں جہنم کی آگ سے محفوظ کر دے ؟ حضرت فاطمہ نے فرمایا: جی ہاں۔ پیغمبر نے اس پردے کو پھاڑ کر تمام فقراء کے درمیان تقسیم کر دیا۔ [۲]

۲۔ ایک روز پیغمبر اکرم ﷺ آٹھ درہم لے کر کچھ سامان خریدنے کے لئے بازار تشریف لے گئے۔ راستے میں آپ کو ایک کنیز دکھائی دی جو رو رہی تھی۔ آپ نے اس سے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا: میرے مالک نے مجھے دو درہم دے کر کچھ سامان خریدنے کے

۱۔ الوفا بحوال مصطفیٰ، ج ۲، ص ۴۴۲۔

۲۔ شرف النبی ﷺ، ص ۲۔

لیے بھیجا تھا لیکن مجھ سے وہ درہم گم ہو گئے ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے اپنے دو درہم اسے دے دیے اور چھ درہم لے کر بازار کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ نے ان میں سے چار درہم کا ایک پیراہن خریدا اور بازار سے واپس گھر کا رخ کیا۔ راستے میں آپ نے ایک کمزور اور لاغر بوڑھے مسلمان کو دیکھا جو تقریباً برہنہ بیٹھا ہوا تھا اور یہ کہہ رہا تھا: جو شخص مجھے کوئی کپڑا پہنائے گا خداوند عالم جنت کے کپڑے اس کے زیب تن کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ کپڑا جو آپ خرید لائے تھے اسے دے دیا اور دوبارہ بازار تشریف لے گئے اور وہاں سے دو درہم کا ایک اور پیراہن خرید لیا۔

جب آپ واپس پلٹے تو آپ نے دیکھا کہ وہ کنیز راستے میں بیٹھی رو رہی ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا ہوا؟ کنیز بولی جو کچھ مجھے خریدنا تھا وہ تو میں نے خرید لیا ہے لیکن چونکہ مجھے دیر ہو گئی ہے اس لئے مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں مجھے سزا نہ دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ! نے اس سے فرمایا: مجھے اپنے گھر کا راستہ بتلاؤ۔ آپ اس کے ساتھ چلے یہاں تک کہ ایک انصاری کے گھر کے سامنے جا کر رک گئے۔ اس وقت مردوں میں سے گھر پر کوئی موجود نہیں تھا۔ صرف عورتیں ہی گھر میں موجود تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے دروازے پر پہنچ کر انہیں سلام کیا اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

وہ عورتیں آپ کی آواز پہچان گئیں لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ پیغمبر ﷺ نے انہیں تین بار سلام کیا۔ سب نے ایک ساتھ جواب دیا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

و برکاتہ۔ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان جائیں۔ رسالتمآب ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم لوگوں نے میری آواز نہیں سنی تھی ؟انہوں نے کہا: کیوں نہیں، لیکن ہم لوگ چاہتے تھے کہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے اوپر آپ کا سلام زیادہ سے زیادہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہاری کنیز کو واپس آنے میں دیر ہوگئی ہے اور وہ تمہاری سزا سے خوف زدہ ہے لہٰذا اسے میری خاطر بخش دو۔ انہوں نے کہا: ہمیں آپ کی سفارش قبول ہے اور ہم اسے کچھ نہیں کہیں گی بلکہ آپ کے قدموں کی برکت سے ہم نے اسے آزاد کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے پلٹے: میں نے ان آٹھ درہموں سے زیادہ بابرکت درہم نہیں دیکھے۔ ان درہموں نے ایک خوف زدہ کو سکون عطا کر دیا، ایک بندہ کو آزاد کر دیا اور دو برہنہ لوگوں کو لباس پہنا دیا۔[1]

۳۔ ایک عورت نے اپنے بچے سے کہا: تم رسول خدا کے پاس جا کر انہیں میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا کہ میری ماں نے کہا ہے کہ آپ مجھے اپنا ایک کپڑا دے دیجئے تاکہ میں اسے اپنا پیراہن بنالوں۔ وہ لڑکا پیغمبر ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور اپنی والدہ کی خواہش کا ذکر کیا۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: فی الحال میرے پاس کوئی اضافی لباس نہیں ہے مگر یہ کہ کہیں سے آجائے تو تمہیں دے دوں گا۔ اس لڑکے نے کہا: میری ماں نے کہا ہے کہ آپ مجھے اپنی عبا عنایت کر دیں تاکہ میں اس کا پیراہن بنالوں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: مجھے اتنی اجازت دو کہ میں حجرہ میں جاسکوں

۱۔ شرف النبی ﷺ، ص ۷۰۔

۔جب آپ حجرہ کے اندر چلے گئے تو آپ نے اپنی ردا اتاری اور اس لڑے کو دے دی اور وہ لڑکا اسے لے کر اپنی والدہ کے پاس چلا گیا۔[۱]

۱۔ شرف النبی ﷺ، ص ۱۷۸۔

ثابت قدمی

استقامت اور پائیداری سے مراد ہے: ہر طرح کے حوادث میں ثابت قدم رہنا۔ یہ مشکلات پر غلبہ پانے اور کامیابی حاصل کرنے کی چابی ہے۔ اسی نجات بخش کشتی کے ذریعے ہی مشکلات اور زحمتوں کی تنگ وتاریک وادیوں کو عبور کر کے ساحل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے۔

چونکہ کسی بھی مقدس ہدف تک صبر واستقامت اور سختیاں برداشت کئے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رسالت یعنی کفر وشرک کے آثار مٹانے اور آئین توحیدی کو برقرار کرنے کے لئے خداوند عالم کی جانب سے "استقامت" اختیار کرنے پر مأمور تھے چانچہ آپ کو حکم الٰہی ہوا:

فَاسْتَقِمْ كَما أُمِرْتَ وَ مَنْ تابَ مَعَكَ...[1]

"جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ثابت قدم رہیں۔"

اپنے خدائی اہداف کی راہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت و پائیداری اتنی روشن و عیاں ہے جس سے دوست ودشمن سبھی کو تعجب ہوتا ہے۔ آپ پر سحر، جنون، جھوٹ اور کہانت جیسی باتوں کی تہمتیں لگائی گئیں۔ آپ کے دشمنوں نے جنگوں، فوجی حملوں، اچانک وارداتوں،

۱۔ ہود: آیت ۱۱۲۔

کے ذریعے نیز آپ کے ساتھیوں کو ستانے جیسے کمر شکن حربوں کے ذریعے معرکہ کا آغاز کیا لیکن پیغمبر ﷺ نے پہاڑ کی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا اور اپنے خدائی مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اگرچہ پیغمبر اکرم ﷺ کی استقامت و پائیداری کے تمام واقعات کو جمع کرنے کے لئے بہت سے صفحات سیاہ کرنے کی ضرورت ہے لیکن اس لاجواب اور بے نظیر اسوۂ حسنہ کی ثابت قدمی اور استقامت و پائیداری کے بعض نمونے ہی ہماری آگاہی کے لئے ہی کافی ہیں مثلا

ا۔ طائف میں آنحضرت ﷺ نے عبد یائیل، حبیب اور مسعود بن عمرو نامی تین بھائیوں سے ملاقات کی جو قبیلہ ثقیف کے بڑے افراد میں سے تھے۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں نے کعبہ کو چرایا ہوا گر تم خدا کے پیغمبر ﷺ ہو۔ دوسرا بولا: کیا خدا عاجز تھا کہ اس نے تمہیں پیغمبر بنا کر بھیج دیا؟ اگر وہ چاہتا تو کسی ایسے کو رسول بنا کر بھیجتا جس کے پاس قدرت و طاقت ہوتی۔ تیسرے نے کہا: خدا کی قسم! اب کے بعد میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ پھر وہ سب مل کر آپ کا مذاق اڑانے اور آپ پر جملے کسنے لگے۔ انہوں نے اس سارے واقعے کو لوگوں کے درمیان پھیلا دیا۔

جب رسالتمآب ﷺ طائف سے جانے لگے تو ان تینوں کے اکسانے پر وہاں کے آوارہ، بدمعاش اور اوباش لوگوں نے پیغمبر ﷺ کو گھیر لیا اور آپ کو پتھر مارنے لگے جس کے نتیجے

میں آپ کے پیر زخمی ہو گئے اور ان سے خون بہنے لگا۔ آپ اسی حالت میں وہاں سے واپس آئے۔[۱]

۲۔ منیب بن مدرک نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے: میں نے دورِ جاہلیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جو لوگوں کو "لا الہ الا اللہ تفلحوا" کہہ کر اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ اس وقت ایک کافر نے آپ کے منہ پر طمانچہ مارا، دوسرے نے آپ کے سر اور چہرے پر مٹی پھینک دی اور کسی نے آپ کو گالی دی۔ اس کے بعد ایک بچی ایک برتن میں پانی لئے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی۔ آپ نے پانی سے اپنا چہرے اور ہاتھوں کو دھویا پھر اس بچی سے فرمایا: "صبر کرنا اور اگر تمہارے بابا کو لوگ ستا رہے ہیں یا اسے ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو اس کی بنا پر غمزدہ نہ ہونا۔"[۲]

۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے والے لوگوں میں ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل سب سے آگے آگے تھے۔ اسی لئے خداوند عالم نے ان کے اوپر لعنت فرمائی اور ان کی مذمت میں سورہ "لھب" نازل کی۔ قرآن مجید نے اس سورت میں ام جمیل کو "حمالۃ الحطب" کہا ہے کیونکہ وہ لوگوں کی چغلخوری کر کے ان کے درمیان دشمنی اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتی تھی۔ یہ بھی منقول ہے کہ

۱۔ حلیۃ الابرار، ج۱، ص۱۷۷۔

۲۔ میزان الحکمۃ، ج۹، ص۶۷۱۔

وہ ملعونہ کانٹے دار جھاڑیاں وغیرہ اٹھا کر آپ کے راستے میں ڈال دیتی تھی تاکہ جب بھی آپ نماز کے لئے تشریف لے جائیں تو آپ کے پیر زخمی ہو جائیں۔[۱]

۴۔ ڈرانا دھمکانا یا لالچ دینا ایسے دو ہتھکنڈے تھے جن کا کفار نے انبیائے الٰہی خاص طور سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تبلیغ سے روکنے کے لئے خوب استعمال کیا تھا۔ جب کفار قریش نے مکہ میں یہ اندازہ کر لیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دین کی تبلیغ کے بارے میں کسی طرح بھی پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور آپ کے یہاں حد درجہ ثابت قدمی پائی جاتی ہے تو انہوں نے لالچ یا دھمکی کے ذریعے آپ کو اس کام سے روکنا چاہا جس کے لئے وہ لوگ ایک دن حضرت ابو طالبؑ کے پاس گئے اور ان سے کہنے لگے: "تمہارا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے افکار و خیالات کا مذاق اڑاتا ہے اور ہمارے ماں باپ وغیرہ کو گمراہ کہتا ہے۔ لہٰذا تم انہیں یہ حکم دو کہ وہ اس کام سے باز آجائے یا تم اسے ہمارے حوالے کر دو اور آج کے بعد اس کی پشت پناہی سے دستبردار ہو جاؤ۔"

اسی طرح بعض کتب تاریخ میں درج ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا: "محمد ہم سے جس چیز کا مطالبہ کرے گا ہم اسے دینے کے لئے تیار ہیں حتیٰ کہ ہم اس کے لئے سب سے خوبصورت لڑکی فراہم کر سکتے ہیں۔"

۱۔ مجمع البیان، ج ۷ ۲۔

جب جناب ابو طالبؑ نے رسول خداﷺ تک ان کا یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے نہایت استقامت اور پائیداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ جواب دیا:

و الله لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَ الْقَمَرَ فِي يَسَارِی على ان اترك هذا الامر حتى يظهره الله او اهلك فيه ما تركته. [۱]

خدا کی قسم! اگر وہ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تاکہ میں اپنے مشن سے ہاتھ اٹھالوں تب بھی میں ایسا ہر گز نہیں کر سکتا یہاں تک کہ خداوند عالم اس دین کو کامیاب کردے یا میں اس راہ میں قتل کر دیا جاؤں۔

۵۔ابو جہل رسالتمآبﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ایک دن اس نے آپ کو ایک خط لکھا جس میں یہ دھمکیاں بھی تھیں:

اے محمدﷺ! تمہارے ذہن میں جو خیالات پروان چڑھ رہے ہیں یہ مکہ میں تمہارا جینا دوبھر کردیں گے۔ جب تک یہ افکار تمہارے ساتھ ہیں تم وطن سے دور رہو گے اور ان فاسد کاموں سے مدینہ والے بھی برباد ہو کر رہ جائیں گے۔وہ تمہارے ہاتھوں جلائی گئی آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ مجھے اس کے علاوہ تمہارا کوئی اور انجام نہیں دکھائی دیتا کہ قریش تمہارے آثار مٹانے اور تمہارے فتنے اور نقصان سے چھٹکارا پانے کے لئے ایک دن تمہارے اوپر ایک ساتھ حملہ کر بیٹھیں گے اور تمہیں اپنے مٹھی بھر فریب خوردہ ساتھیوں کے ساتھ ان کا سامنا کرنا

۱۔ سیرۂ ابن ہشام، ج۱، ص ۲۸۳۔

پڑے گا۔ اس کے علاوہ مدینہ کے کفار اور وہاں موجود تمہارے دوسرے دشمن بھی قریش کا ساتھ دیں گے کیونکہ فی الحال تو وہ صرف خوف کی بناپر تمہارا ساتھ دے رہے ہیں لیکن جب انہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ تمہارے قتل ہوتے ہی وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اور ان کے گھر والوں کو بدنصیبی کی زندگی گزارنا پڑے گی اور جو شخص بھی ان کا ساتھ دے گا اسے فقر اور بیچارگی کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ تمہارے دوست اور دشمن کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھیں گے اور انہیں بھی تمہاری طرح جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ وہ ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیں گے، ان کا مال لوٹ لیں گے اور تمہاری عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھی بالکل ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جو یہ دھمکی دے رہا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس نے صاف گوئی سے کام لیا ہے اس نے پیغام پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل کے خط کا یہ جواب دیا:

"یقیناً ابوجہل نے مجھے سختیوں اور مشکلات سے ڈرایا دھمکایا ہے جبکہ پروردگار عالم مجھے کامیابی کی بشارت دے رہا ہے اور خدا کی خبر سب سے زیادہ سچی اور قبول کرنے کے لائق ہے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا اس کا مددگار ہے اور اس کی بخشش و عطا اور عظمت اس کے شامل حال ہیں تو کسی کی ناراضگی یا اس کے منہ موڑ لینے سے اسے کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں ہے۔"[1]

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۳۴۳۔

باہمی تعاون

ہر معاشرتی زندگی کی اصل بنیاد ایک دوسرے کی مدد اور تعاون پر استوار ہوتی ہے۔ایک دوسرے کی مدد کرنے سے ایک طرف تو لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، دوسری جانب معاشرہ ترقی کرنے لگتا ہے اور لوگ بھی ایک دوسرے کے نزدیک ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے ہمیں اس آیت میں اسی راز کی طرف متوجہ کیا ہے:

وَ تَعاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوى وَ لا تَعاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوانِ...[1]

"نیک کاموں اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہوں اور ظلم و تجاوز میں کسی کی مدد سے پرہیز کرو۔"

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کا صرف زبانی حکم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ آپ اپنے عمل سے بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ اگرچہ آپ کے اصحاب دل و جان سے آپ کا ہر کام انجام دینے کے لئے تیار رہتے تھے مگر آپ انہیں اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبۂ تعاون کے چند واقعات بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے پہلے مکہ والوں کی معاشی حالت بہت خراب تھی۔ اس وقت جناب ابوطالبؑ اگرچہ قبیلۂ قریش کے سردار تھے مگر کثرتِ عیال کی بناپر آپ کو بھی مالی

۱۔ مائدہ: آیت ۲۔

مشکلات کا سامنا تھا۔ آپ کی حالت زار دیکھ کر پیغمبر اکرم ﷺ سے رہا نہ گیا اور وہ اپنے چچا جناب عباس کے پاس گئے جن کی مالی حالت قدرے بہتر تھی۔ آپ نے ان سے کہا: آپ کے بھائی کا گھرانہ کافی بڑا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ تمام لوگ مشکلات سے دوچار ہیں لہٰذا چلئے ہم لوگ ان کا کچھ بوجھ بٹا لیتے ہیں یعنی ان کے ایک بچے کو آپ اپنے گھر لے جائیں اور ایک بچے کو میں اپنی سرپرستی میں لے لوں گا۔ جناب عباسؓ نے آپ کی یہ رائے قبول کرلی چنانچہ یہ دونوں حضرات جناب ابو طالبؑ کے پاس گئے اور پیغمبر اکرم ﷺ حضرت علیؑ کو اور جناب عباسؓ جناب جعفر کو اپنے اپنے گھر لے گئے۔ آپ کے اس نیک کام کی وجہ سے جناب ابو طالبؑ کے اوپر سے دو بچوں کا بوجھ کم ہو گیا۔[۱]

۲۔ جب پیغمبر اکرم ﷺ مدینہ پہنچے تو عبادت خدا اور دوسرے سیاسی و سماجی کاموں کے لئے ایک مسجد بنانے کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی۔ جناب رسالتمآب نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جس میں تمام مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسجد کی زمین خرید لی گئی اور مسلمانوں کے درمیان مسجد بنانے کا جوش و خروش روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔

پھر سب لوگ مسجد تعمیر کرنے میں لگ گئے۔ پیغمبر اکرم ﷺ بھی اس کار خیر میں ان کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ اسید بن حضیر کہتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ ایک پتھر اٹھائے ہوئے آرہے

۱۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۳۔

تھے۔ میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مجھے دیدیجئے۔ اسے میں لے جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: نہیں، جاؤ تم دوسرا پتھر اٹھا کر لے آؤ۔ [1]

۳۔ ایک سفر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قافلہ والوں نے کسی منزل پر پڑاؤ ڈالا۔ تب لوگوں نے کہا کہ اس وقت کھانے کے لئے ایک گوسفند ذبح کر لیا جائے۔ ایک صحابی نے کہا: گوسفند میں ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا: اس کی کھال اتارنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ تیسرے نے کہا: اسے پکانے کی ذمہ داری میری۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صحرا سے لکڑیاں جمع کرنا میرا کام۔

قافلے والوں نے کہا: رسول اللہ! آپ زحمت نہ فرمائیں اور یہیں آرام سے بیٹھے رہیں۔ ہم لوگ خود ہی یہ سب کام کر لیں گے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ یہ سب کام کر سکتے ہو لیکن خدا کو یہ انداز بالکل پسند نہیں ہے کہ اس کا کوئی بندہ لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز (بہتر) سمجھے۔ پھر آپ صحرا میں چلے گئے اور وہاں سے لکڑیاں وغیرہ جمع کر کے واپس آ گئے۔ [2]

۱۔ بحار الانوار، ج۹، ص۱۱۱۔

۲۔ کحل البصر، ص۶۸۔

مآخذ

۱۔احیاءالعلوم: امام محمد غزالی، انتشارات دارالمعرفہ۔

۲۔اصول کافی: کلینی، انتشارات اسلامیہ۔

۳۔امالی: علی بن طاہر ابی احمد الحسین، انتشارات آیت اللہ مرعشی۔

۴۔بحارالانوار: محمد باقر مجلسی، انتشارات اسلامیہ۔

۵۔تفسیر عیاشی: محمد بن مسعود سمرقندی، انتشارات اسلامیہ۔

۶۔حیاۃالقلوب: علامہ مجلسی، انتشارات جاویدان۔

۷۔سفینۃالبحار: شیخ عباس قمی، انتشارات سنایی۔

۸۔سنن النبی: علامہ محمد حسین طباطبائی، کتابفروشی اسلامیہ۔

۹۔سیرتِ ابن ہشام: ابن ہشام۔

۱۰۔سیرتِ حلبی: حلبی۔

۱۱۔سیرتِ رسول اللہ: رفیع الدین ہمدانی۔

۱۲۔سیری در سیرۂ نبوی: استاد مطہری، انتشارات صدرا۔

۱۳۔علل الشرائع: شیخ صدوق، انتشارات داوری۔

۱۴۔کحل البصر: شیخ عباس قمی، موسسۃالوفا۔

۱۵۔ مجمع البیان: طبرسی، موسسۂ انتشارات فراہانی۔

۱۶۔ محاسن: احمد بن محمد خالد برقی، دار الکتب الاسلامیہ۔

۱۷۔ محجۃ البیضاء: فیض کاشانی، انتشارات اسلامی۔

۱۸۔ مرآۃ العقول: محمد باقر مجلسی، دار الکتب الاسلامیہ۔

۱۹۔ میزان الحکمۃ: محمد محمدی رے شہری، مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی۔

۲۰۔ مستدرک الوسائل: مرزا حسن نوری، موسسۂ اسماعیلیان۔

۲۱۔ مکارم الاخلاق: طبرسی، موسسۂ اعلمی۔

۲۲۔ منتھی الآمال: شیخ عباس قمی، کتابفروشی محمد حسن علمی۔

۲۳۔ ناسخ التواریخ: مرزا محمد تقی سپہر، کتابفروشی اسلامیہ۔

۲۴۔ نہج البلاغہ: فیض الاسلام۔

۲۵۔ نہج الفصاحۃ: ترجمۂ پایندہ، انتشارات جاویدان۔

۲۶۔ وسائل الشیعہ: شیخ حر عاملی، دار احیاء التراث العربی۔